ماہ نامہ

# ہمدرد نونہال

مئی ۲۰۱۶ء

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۶۴ واں سال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۵ | جلد ۶۴

رجب المرجب - شعبان المعظم ۱۴۳۷ ہجری

مئی ۲۰۱۶ عیسوی


ٹیلے فون — 36620945 تا 36620949

ایکسٹینشن — 36616001 تا 36616004 (054 یا 052 یا 066)

ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارہ سعید — www.hakimsaid.info

فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰


"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے


سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر | اسماعیل محمود، کینیڈا

ISSN 02 59-3734

**سات نکتے**
مسعود احمد برکاتی
۸
معاشرے میں اچھی زندگی گزارنے کے لیے سات اصول نکتے

**موٹر چور**
روبنسن سیموئیل گل
۳۱
چور کو چور بنانے والا کون تھا؟ ایک سبق آموز کہانی

**ڈاکٹر سیب**
فرزانہ روحی اسلم
۳۹
ایک ہمدرد لیڈی ڈاکٹر کی دل چسپ اور مزے دار کہانی

## اس شمارے میں کیا کیا ہے؟







**قصہ ایک شام کا**
انوار آس محمد
۵۷
رونگٹے کھڑے کر دینے والا ایک سچا واقعہ

**کبوتر کا تحفہ**
عبدالرؤف تاجور
۶۹
وہ کبوتر کون تھا؟ جو اپنے محسن کو ایک قیمتی تحفہ دے گیا تھا

**بلاعنوان انعامی کہانی**
احمد عدنان طارق
۹۴
اس مزے دار کہانی کا عنوان بتا کر ایک کتاب حاصل کیجیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے سے افواہیں پھیلتی ہیں ۔ بہت سے لوگ سادگی میں ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں اور اس بات کو سچ سمجھ کر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں ۔ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اس بات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں ۔ اس طرح بہت سی غلط باتیں عام ہو جاتی ہیں اور ان کو اکثر لوگ حقیقت سمجھنے لگتے ہیں ۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی مشہور شخص کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ لیتے ہیں ، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ۔ ان لوگوں کا مقصد یا تو اس شخص کو بدنام کرنا ہوتا ہے یا پھر صرف اپنی معلومات کا سکہ جمانا اور اپنے کو بہت باخبر ظاہر کرنا ہوتا ہے ۔ سادہ لوگ ان کی معلومات سے مرعوب ہو کر ایسی باتوں کو صحیح مان لیتے ہیں اور یہ سلسلہ چل پڑتا ہے ۔

بعض باتیں تو اچھی ہوتی ہیں اور ان کو مان بھی لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہوتا ، لیکن جو باتیں کسی شخص یا جماعت یا طبقے کے خلاف ہوں اور اس کی بُرائی میں ہوں تو ان کو ماننے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لینی چاہیے ۔ سب سے پہلے تو خود ہی غور کرنا چاہیے کہ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں ۔ اکثر صورتوں میں غور کرنے سے ان باتوں کی قلعی کھل جاتی ہے ، لیکن اگر اس طرح بھی تم کسی نتیجے پر نہ پہنچو تو دوسروں سے معلوم کرو ۔ اگر تحقیق سے بھی اصل بات نہ معلوم ہو سکے تو پھر اس بات کو ذہن سے اس طرح نکال دو کہ جیسے تم نے سنی ہی نہیں ۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کسی شخص یا جماعت کے خلاف کسی بات پر اس وقت تک یقین نہیں کرنا چاہیے جب تک معتبر ذریعوں سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے ۔

( ہمدرد نونہال فروری ۱۹۸۵ء سے لیا گیا )

اس مہینے کا خیال

> شوق انسان کو بناتا بھی ہے اور شوق انسان کو بگاڑ بھی سکتا ہے ۔

# پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

ہمدرد نونہال کی ۶۴ ویں جلد کا پانچواں شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔

جہاں تک یاد آتا ہے '' پہلی بات '' کے عنوان سے پہلی بار ایڈیٹر کی باتیں ستمبر ۱۹۵۸ء کے شمارے میں لکھی تھیں ۔ اس سے پہلے '' آپس کی باتیں '' کے عنوان سے بھی ایڈیٹر اور نونہال پڑھنے والوں سے باتیں ہوئی تھیں ۔ ایک بار '' نیا سال ، نئی زندگی '' کا عنوان بھی لگایا تھا ۔ تبدیلی زندگی کی ضرورت ہے ۔ تبدیلی کے بغیر زندگی کا مزہ نہیں ۔

ہمدرد نونہال بچوں اور بڑوں سب کا خادم ہے ۔ ۶۴ سال سے یہ علم اور ادب کی اشاعت اور خدمت میں مصروف ہے ۔ دل تو چاہتا ہے کہ شہید حکیم محمد سعید کا چہیتا مدت تک خدمت میں مصروف ہے اور تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی کے مطابق مصروفِ خدمت رہے ۔ محترمہ سعدیہ راشد بھی ہمدرد نونہال کی زندگی اور ترقی کی دل دادہ ہیں ۔

علم روشنی ہے ، علم ترقی ہے ، علم زندگی ہے ، علم راحت ہے ، علم عزت ہے ۔

ساتھی بھی محبت اور محنت سے ہمدرد نونہال کی زندگی کے لیے مصروف رہتے ہیں ۔ ساتھیوں میں خاص طور پر سلیم فرخی پوری دل چسپی سے تازہ شمارے کے لیے مصروف ہیں ۔ میں اپنے ساتھیوں کا دل سے ممنون ہوں ۔

بزرگوں ، دوستوں ، نونہالوں سے درخواست ہے کہ میری صحت کے لیے دعا کریں ۔ جزاک اللہ ۔

☆

# روشن خیالات

### حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو۔

مرسلہ : مہوش حسین، کراچی

### حضرت ابوبکر صدیقؓ

جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں، وہ کبھی اچھے دوست نہیں بن سکتے۔ مرسلہ : حرا سعید شاہ، جوہر آباد

### حضرت عمر فاروقؓ

دودھ کے گھونٹ سے غصے کا گھونٹ پینا بہتر ہے۔

مرسلہ : لبابہ عمران خان، کراچی

### حضرت لقمانؒ

اپنے راز کو پوشیدہ رکھنا اپنی عزت بچانا ہے۔

مرسلہ : ناعمہ ذوالفقار، کراچی

### سرسید احمد خاں

سچا دوست وہ ہے، جو آپ کی خامیاں جانتے ہوئے بھی آپ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ آپ میں چند خوبیاں ہیں۔

مرسلہ : آصف بوزدار، میرپور ماتھیلو

### قائد اعظم محمد علی جناح

دنیا سے مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں ایسے اقدام اُٹھانے چاہییں، جو ہمیں آگے کی طرف لے جائیں۔ مرسلہ : سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

### شہید حکیم محمد سعید

ہمدردی، خلوص و ایثار انسان کی اعلا صفات ہیں۔ جو آدمی ان صفات سے محروم ہے، وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

مرسلہ : محمد طارق قاسم، نواب شاہ

### زرتشت

اپنی سوچوں کا رُخ زندگی بھر اچھے کاموں کی طرف رکھو۔ مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

### بقراط

اگر تم امیر بننا چاہتے ہو تو اپنی فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع مت کرو۔ مرسلہ : وجیہہ قیصر زمان، کراچی

### مارک ٹوئن

دوستی کے بندھن کو مضبوط رکھنا ہے تو دوستوں سے اکثر ملا کرو۔ مرسلہ : اعتزاز عباسی، ناظم آباد



# اے خدا!

محمد مشتاق حسین قادری

پختہ ایمان میرا ہوا ہے
میرے ہر درد کی تُو شفا ہے
میں پریشانیوں میں گھرا ہوں
فضل کر مجھ پہ، میری دُعا ہے
ہر طرف آفتوں نے ہے گھیرا
تُو ہی اب میرا حاجت روا ہے
عمر ساری گناہوں میں گزری
رحم کر، فضل کر التجا ہے
میں بہت ہی زیادہ بُرا ہوں
بس کرم کر ترا آسرا ہے
اے خدا! ہوں مرے ایسے اسباب
اے خدا! تجھ سے التجا ہے
مستقل گھر نہ مشتاق کا ہے
میرا سب حال تجھ پر کُھلا ہے

# سات نکتے

مسعود احمد برکاتی

ہر مہذب آدمی کو مجلس میں اُٹھنا بیٹھنا اور باتیں کرنا پڑتی ہیں۔ تہذیب کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی مجلس کے آداب سے واقف ہو اور ان پر عمل کرے۔ اگر آدمی اچھا بننا اور اچھا کہلانا چاہتا ہے تو اس کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے، بات چیت کرنے میں قاعدے، قانون کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ یہی قاعدے قانون آدابِ مجلس کہلاتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے آدمی دوسرے لوگوں میں مقبول ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ آدابِ مجلس کا خیال نہیں کرتے وہ اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ لوگ ان سے ملنے سے گھبراتے اور کتراتے ہیں۔ جو بچے شروع سے ادب سیکھ لیتے ہیں، وہ بڑے ہو کر بھی مجلس کے آداب کا لحاظ رکھتے ہیں اور چھوٹے بڑوں میں ہر دل عزیز ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو شروع ہی آدابِ مجلس سیکھ لینا چاہییں۔ ہم یہاں چند باتیں لکھتے ہیں، ان کو توجہ سے پڑھیے اور ان پر عمل کی کوشش کیجیے۔ آپ بھی اچھے بچوں میں شامل ہو جائیں گے۔

(۱) بات کرنے کے لیے بڑے سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض آدمی جب کسی مجلس میں جاتے ہیں تو مسلسل باتیں کیے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ دوسروں پر اپنی قابلیت اور عقل مندی کا سکہ جما دیں گے۔ یہ خیال غلط ہے۔ زیادہ بولنا کسی طرح بھی اچھا نہیں۔ اگر آپ زیادہ بولیں گے تو اس کا اثر اچھا نہیں ہوگا۔ عقل مند آدمی ہمیشہ کم بولتے ہیں۔ بولنے سے پہلے سوچ لیجیے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اور اسے کس طرح کہیں گے۔ اچھی بات کو بھی اگر ڈھنگ سے نہ کہا جائے تو فائدہ نہیں ہوتا۔ کسی آدمی کی



باتیں جب حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں تو بکواس میں شمار ہونے لگتی ہیں اور لوگوں کو ناگوار معلوم ہونے لگتی ہیں۔

(۲) دوسروں لوگوں کی گفتگو توجہ اور خاموشی سے سننا چاہیے۔ مجلس میں جتنے آدمی بیٹھے ہوں، سب کو بات کرنے کا موقع دینا چاہیے، تاکہ آپ کو ان کے خیالات معلوم ہوں اور آپس میں دل چسپی اور تعلقات بڑھیں۔

(۳) اگر آپ اپنی گفتگو میں کسی واقعہ کا ذکر کریں تو وہ سچا ہونا چاہیے۔ جھوٹے واقعات بیان کرنے سے بات چیت کا وزن بڑھتا نہیں، بلکہ گھٹتا ہے اور آپ کی وقعت بھی لوگوں کے دل میں کم ہو جاتی ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص ایسی بات بیان کرے، جو غلط ہو یا کم سے کم آپ اسے غلط سمجھتے ہوں تو اس کی تردید نہ کیجیے، کیوں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ آپ کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوگا، بلکہ اپنی بات پر اَڑ جائے گا۔ ایسے موقعے پر یا تو خاموش ہو جائیے یا اگر آپ بہت ہی ضروری سمجھتے ہوں تو بہت نرمی سے اسے سمجھائیے اور صحیح واقعہ یا بات پیش کیجیے۔

(۵) آپس میں بحث و حجت نہ کیجیے۔ کسی بات پر اختلافِ رائے ہو۔ آپ کا دوست کچھ اور کہتا ہو اور آپ کچھ اور، تو اپنی بات پر اَڑنے کے بجائے اس کی بات غور سے سنیے۔ اس کی دی ہوئی دلیلوں پر غور کیجیے۔ شاید آپ ہی کا خیال غلط ہو۔ اگر اس کی بات پوری طرح سننے کے بعد بھی آپ کو اس کا خیال غلط معلوم ہو تو اپنی بات کو نہایت نرمی سے سمجھائیے۔ چوں کہ آپ نے اس کی بات اطمینان سے سن لی تھی، اس لیے وہ آپ کی بات بھی توجہ سے سنے گا۔ اگر آپ نے اچھی طرح سمجھا دیا تو آپ کی بات مان لے گا، لیکن

اگر بحث شروع ہوگئی اور ہر ایک اپنی اپنی بات پر جمارہا تو نتیجہ لڑائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

(۶) بات کرتے وقت اس کا خیال رکھیے کہ اپنا نام اور اپنا ذکر بار بار نہ کیجیے۔ بعض لوگ اپنی باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ''میں نے یوں کہا، میں یہ کرتا ہوں، میری یہ عادت ہے۔'' اس قسم کی باتیں دوسروں کو بہت بُری لگتی ہیں۔ دل چسپی کے بجائے اُکتاہٹ ہونے لگتی ہے اور لوگوں کو آپ سے جو کچھ دل چسپی اور ہمدردی ہوتی ہے وہ بھی جاتی رہتی ہے، اس لیے اپنے خیالات کے بجائے دوسروں کے حالات میں دل چسپی لیجیے۔

(۷) چھوٹے اور بڑوں سب کے مرتبے کا خیال رکھیے۔ آپ کی باتوں سے اور حرکتوں سے یہ ہرگز ظاہر نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ سب کی عزت کیجیے اور ادب اور تمیز سے پیش آیئے۔ کسی کا نام حقارت سے نہ لیجیے۔ ☆

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۵۷ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا)

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

**ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی**

# معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

## دو مصنفین کی ایک کتاب

قرآن مجید کی تفسیر ''تفسیرِ جلالین'' کو دو علما نے مل کر لکھا۔ ان میں ایک مولانا جلال الدین محلی (وفات ۸۶۴ ہجری) تھے۔ انھوں نے پندرھویں پارے کی سورہ الکہف سے آخر تک تفسیر لکھی۔ انھیں موت نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔

بعد میں اس تفسیر کو سورۂ البقرہ سے سورۂ الاسراء (جو پندرھویں پارے میں بھی ہے) تک مولانا جلال الدین سیوطی نے مکمل کیا۔ اسی لیے اس تفسیر کو ''تفسیرِ جلالین'' کہا جاتا ہے۔ یہ تفسیر اپنے اختصار، جامعیت اور سادہ زبان کے باعث بے حد مقبول ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ''سیرۃ النبیؐ'' کے نام سے دو بڑے عالموں نے تحریر کی۔ ان میں ایک علامہ شبلی نعمانی تھے۔ انھوں نے اسے نامکمل چھوڑا اور آخری وقت میں اس کا ابتدائی لکھا ہوا حصہ شاگردِ خاص مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اسے ضرور مکمل کرنا۔ لایق شاگرد نے استاد کے حکم کے آگے سر جھکایا اور اس کام کو مکمل کیا۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والوں کو دلائل کے ساتھ جوابات دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے حد مقبولیت دی۔

## رئیس الاحرار۔سید الاحرار

رئیس الاحرار (احرار، حُر کی جمع ہے، آزادی چاہنے والے) یہ لقب تحریکِ پاکستان کے ایک بڑے رہ نما مولانا محمد علی جوہر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے جاری کردہ اخبارات ''ہمدرد'' اور

''کامریڈ'' کے ذریعے تحریکِ پاکستان کی قلمی جنگ لڑی۔ ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال ہوا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

سید الاحرار (آزادی چاہنے والوں کے سردار) تحریک کے ایک اور رہنما مولانا حسرت موہانی کو کہا جاتا ہے۔ وہ ۱۸۷۸ء میں قصبہ موہان (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سب سے پہلے ہندستان کی مکمل آزادی کا نعرہ لگایا تھا۔ انھوں نے شاعری بھی کی، کئی بار جیل میں بند بھی ہوئے۔ ان کا ایک شعر بڑا مشہور ہوا:

ہے مشقِ سُخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

ان کا انتقال ۱۳-مئی ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ وہ پاکستان کی آزادی کے بعد ہندستان میں ہی رہ گئے تھے۔

## سیف اللہ-سیف الاسلام

سیف اللہ، (سیف عربی میں تلوار کو کہتے ہیں، یعنی اللہ کی تلوار) حضرت خالدؓ بن ولید کو کہا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے تلوار کے سائے میں پرورش پائی۔ شروع میں کافروں کے ساتھ تھے۔ بعد میں اسلام قبول کیا تو پھر ایک مجاہد بن کر ہمیشہ اسلام دشمنوں کے خلاف جنگ میں مصروف رہے۔ غزوۂ موتہ میں ان کے ہاتھوں سے نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ اسی غزوے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔

سیف الاسلام، (اسلام کی تلوار) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کہا جاتا ہے۔ آپؓ کا شمار ان دس صحابہ کرام میں ہوتا ہے، جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا



ارشاد ہے کہ وہ سب جنت میں جائیں گے۔ قبولِ اسلام کے وقت عمر سترہ سال تھی۔ انھوں نے ہر غزوے میں شرکت کی۔ ایران ان ہی کی سپہ سالاری میں فتح ہوا۔ کوفہ شہر بھی انھوں نے ہی آباد کیا تھا۔

## خدائے سُخن

خدائے سُخن (شاعری کا خدا) اردو میں میر تقی میر کو کہا جاتا ہے۔ میر تقی میر، اردو کے شاعر تھے جو ۱۷۲۳ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام محمد تقی اور میر تخلص تھا۔ اردو کے چھے دیوان اور فارسی میں خود نوشت ''ذکرِ میر'' چھوڑی ہیں۔ انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا۔

فارسی میں خدائے سُخن حافظ شیرازی کو کہا جاتا ہے۔ فارسی شاعر حافظ شیرازی ۱۳۲۵ء میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ اصل نام خواجہ شمس الدین محمد تھا۔ حافظِ قرآن تھے اور شیراز سے تعلق کی بنا پر حافظ شیرازی کہلائے۔ ایک دیوان چھوڑا، جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ یہ دونوں ہی بچپن میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے تھے۔

## زیر، زبر، پیش

سِن (زیر کے ساتھ) عربی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی عمر، سال یا عمر کی مقدار کے ہیں۔

سَن (زبر کے ساتھ) ہندی میں ایک پودے کا نام ہے، جس کی چھال کے ریشے سے رسیاں بناتے ہیں۔ ہندی ہی میں کسی چیز کے زور سے جانے کی آواز کو بھی سَن کہتے ہیں۔ جیسے گولی سَن سے نکل گئی۔

سُن (پیش کے ساتھ) ہندی میں بے حس، بے ہوش یا خاموش اور ساکت ہونے کو کہتے ہیں۔ ☆

# ہمدرد نونہال

ضیاء الحسن ضیاؔ

علم و عمل کی بزم سجاتا ہے نونہال
ہر ماہ اپنے جلوے لٹاتا ہے نونہال
ہمدرد نونہال کی اپنی ہی شان ہے
سج دھج خود آپ اپنی دکھاتا ہے نونہال
حافظ سعید کی یہ نشانی ہے بالیقیں
ہم سب کو ان کی یاد دلاتا ہے نونہال
دل سے لگاؤ سعدیہ راشد کو ہے جبھی
حکمت کے تازہ پھول کھلاتا ہے نونہال
برکاتی محترم کی ہے محنت کا یہ ثبوت
سب کے دلوں کو خوب لبھاتا ہے نونہال
مضمون اعلا، نظمیں، لطیفے ہیں لاجواب
ہر اک سے داد خوب ہی پاتا ہے نونہال
آنے نہ دینا آنچ کبھی اپنے دیس پر
سچا وطن سے پیار سکھاتا ہے نونہال
سرتاج نونہالوں کا اس کو کہو ضیاؔ
اک آن بان، شان سے آتا ہے نونہال



# قابلِ تحسین

محمد طارق

''ہائیں! یہ ایک کلو گوشت ہے؟'' بیگم صاحبہ نے گوشت کی تھیلی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''جج...... جی بیگم صاحبہ! پورا ایک کلو ہی ہے۔ بے شک آپ امجد قسائی سے پتا کروالیں، میں وہیں سے لایا ہوں۔'' اکبر میاں نے ڈرتے ڈرتے اپنی صفائی پیش کی۔

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔ پچھلے دو مہینے سے میں یہ بات نوٹ کر رہی ہوں کہ تم جو چیز بھی لاتے ہو مجھے کم ہی لگتی ہے۔ کل سیب لینے بھیجا، مشکل سے تین پاؤ ہی ہوں گے، مگر تمھاری رٹ یہی تھی، نہیں جی پورے ایک کلو ہی ہیں۔ اس سے پہلے آم لینے بھیجا تو وہ بھی کم نظر آئے۔ دودھ لینے جاؤ یا سبزی، دال یا کھانے پینے کا کوئی اور سامان، سب کا یہی حال ہے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں تھا، مگر اب دو مہینے سے مسلسل یہی ہو رہا ہے۔ پیسے پورے لے جاتے ہو اور سامان کم لاتے ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بازار والے بے ایمان ہوگئے ہیں یا تم نے ہیرا پھیری شروع کردی ہے۔'' رعنا بیگم نے جل بُھن کر کہا۔

''بب...... بات یہ ہے بیگم صاحبہ! نہ بازار والے بے ایمان ہوئے ہیں، نہ میں نے ہیرا پھیری شروع کی ہے، بلکہ آپ کو وہم ہوگیا ہے۔'' اکبر نے وضاحت پیش کی۔

''وہم؟ اتنے عرصے میں تو کبھی وہم نہیں ہوا اور اب کیسے ہوگیا؟'' رعنا بیگم کا غصہ بڑھنے لگا۔

اکبر میاں پر کپکپی طاری ہوگئی۔ وہ تو ویسے بھی بیگم صاحبہ سے بہت ڈرتے تھے۔ جب بیگم صاحبہ غصے میں آتیں تو ان کو اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ ان کی زبان پر ''جل تُو

جلال تُو ، آئی بَلا ٹال تُو'' کے ساتھ ساتھ کلمے کا ورد بھی جاری ہو جاتا۔ پھر کسی مجرم کی طرح فرار ہو جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے۔ البتہ واپسی پر خالہ فہمیدہ کو سفارش کے طور پر ساتھ لاتے ، تب جا کر ان کی جان بخشی ہوتی۔

اکبر میاں گھر کے بہت پرانے نوکر تھے۔ ہر کام محنت اور ایمان داری سے کرتے۔ سودا لانے کے بعد جو بھی رقم بچتی ، بیگم صاحبہ کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ مجال ہے جو ایک رُپیا بھی اِدھر سے اُدھر ہو۔ اب مسلسل دو مہینے سے ان کو بیگم صاحبہ کی کڑوی کسیلی باتیں سننی پڑ رہی تھیں۔ بیگم صاحبہ کا خیال تھا کہ وہ جو بھی سامان لاتے ہیں، کم ہی ہوتا ہے اور اکبر میاں اس کو بیگم صاحبہ کا وہم قرار دے کر اکثر بچ نکلنے میں کام یاب ہو جاتے تھے۔

آج جب اکبر میاں فروٹ کی تھیلی اُٹھائے گھر میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ کو اپنا منتظر پایا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اکبر میاں کا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک لمحے کے لیے ان کا دل چاہا کہ یہاں سے بھاگ جائیں، مگر واپسی کا سوچ کر وہ مشکل میں پڑ گئے ، کیوں کہ خالہ فہمیدہ کسی رشتے دار کی شادی میں شہر سے باہر گئی ہوئی تھیں۔

''خ ...... خیریت تو ہے بیگم صاحبہ!'' وہ مشکل سے اتنا ہی کہہ پائے۔

''پہلے تو مجھے یہ بتاؤ، سیدھا گھر آنے کے بجائے تم پچھلی گلی میں کیا کرنے گئے تھے، جب کہ فروٹ کی تھیلی بھی تمھارے ہاتھ میں تھی۔ نہ تو اس گلی میں ہمارا کوئی رشتے دار ہے، نہ اس گلی سے ہو کر کوئی راستہ ہمارے گھر کی طرف آتا ہے۔''

''ک ...... کک ...... کیا مطلب ...... بیگم صاحبہ! میں سمجھا نہیں۔'' اکبر میاں کی حالت قابلِ دید تھی۔

بیگم صاحبہ تیز لہجے میں دوبارہ بولیں: ''خالہ زرینہ کافی دنوں سے بیمار تھیں۔

میں نے سوچا طبیعت کا پوچھ آؤں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے واپس آ رہی تھی تو میں نے تمھیں دیکھا ، فروٹ کی تھیلی ہاتھ میں پکڑے گھر آنے کے بجائے پچھلی گلی میں مڑ گئے تھے۔ مجھے بھی پتا چلے وہاں کیا لینے گئے تھے؟''

''وہ ...... بیگم صاحبہ! وہ ......'' اکبر میاں سے کوئی جواب نہیں بن پا رہا تھا۔

''دیکھو سچ سچ بتاؤ، اسی میں تمھاری خیر ہے ، ورنہ ......'' بیگم صاحبہ آپے سے باہر ہو چکیں تھیں۔

''ج ...... جی بتاتا ہوں ...... ب ...... بالکل بتاتا ہوں۔''

اکبر میاں پر کپکپی تو طاری تھی ہی ، زبان بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ آج

اگر مگر کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ سچ بتائیے بنا آج چھٹکارہ نہیں۔ آخر اکبر میاں نے اپنی ساری ہمت جمع کر کے اوسان پر قابو پایا اور بتایا: ''بیگم صاحبہ! آپ کو تو پتا ہے، اصغر بھائی جو پچھلی گلی میں رہتے تھے دو مہینے پہلے ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ ان کے دو پھول جیسے بچے بھی ہیں۔ جو کبھی اپنی امی کے ساتھ یہاں بھی آ جاتے تھے۔ مجھے ان پر بڑا ترس آتا ہے، میرے ذہن سے یہ بات نہیں نکل سکی کہ اپنے ابو کے انتقال کے بعد ان کی گزر بسر نہ جانے کیسے ہو رہی ہوگی! وہ بے چارے مزدوری کر کے مشکل سے بچوں کا پیٹ پال رہے تھے، اس لیے ان کی کوئی جمع پونجی بھی نہ تھی، جو ان بچوں کے کام آتی۔ آخر ان کی بیوہ ماں ان کے لیے کیا کر سکتی تھی۔ یہ سب کچھ سوچ کر میں نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں جو بھی سامان لاتا، اس میں سے تھوڑا سا نکال کر ان کو دے آتا۔ اس کے علاوہ اپنی تنخواہ میں سے بھی کچھ رقم انھیں دے آتا ہوں۔ میں نے ان سے یہ عہد لے رکھا تھا کہ وہ یہ بات آپ کو نہ بتائیں۔'' اتنا کہہ کر اکبر میاں خاموش ہو گئے۔

انھوں نے ڈرتے ڈرتے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا، مگر اکبر میاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بیگم صاحبہ کے چہرے پر غصے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ البتہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ اکبر میاں کو تسلی دے رہی تھی۔ اس سے ان کی ہمت بندھی اور وہ بات جو وہ دو مہینے سے بیگم صاحبہ سے پوچھنا چاہ رہے تھے، مگر خوف کے مارے پوچھ نہیں پا رہے تھے۔ آج ان کی زبان پر آ ہی گئی: ''بیگم صاحبہ! میں کھانے پینے کی جو چیز بھی لاتا اصغر بھائی کے بچوں کا حصہ نکالنے کے بعد وہ چیز واقعی تھوڑی سی کم ہو جاتی، لیکن اتنی بھی کم نہیں جتنی آپ مجھے پکانے کے لیے دیتی ہیں۔ یہ بات بہت دنوں سے میں محسوس کرتا تھا کہ میں جتنا سامان آپ کے حوالے کرتا ہوں، آپ ہمیشہ اس سے کم مجھے پکانے کے لیے دیتی ہیں۔ کہنے کو تو اکبر میاں نے کہہ دیا، مگر اب دوبارہ ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

وہ اپنی اس جرأت پر حیران بھی ہو رہے تھے کہ انھوں نے اتنی بڑی بات بیگم صاحبہ سے کیسے پوچھ لی۔ پھر بیگم صاحبہ کے پُرسکون چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ مطمئن ہو گئے۔ بیگم صاحبہ تھوڑی دیر رُک کر بولیں: ''جب سے اصغر کا انتقال ہوا، میں بھی ان کی بیوہ اور معصوم بچوں کے لیے بڑی فکرمند تھی۔ کئی دفعہ مالی مدد بھی کی اور جب بھی پتا چلتا کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت ہے، میں وہ بھی خرید کر دے آتی۔ اس کے ساتھ ساتھ جو خاص چیز گھر میں پکتی پہلے ان کا حصہ نکال کر انھیں دے آتی اور یہ سب میں نے تمھیں بتانے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔''

بیگم صاحبہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

☆

# موٹر چور

روبنسن سیموئیل گل

''شیخ صاحب! یہ اچھی بات نہیں کہ آپ بغیر پوچھ گچھ کیے اس آدمی سے پانی کی موٹر خرید لیتے ہیں۔ کیا پتا وہ کہیں سے چوری ہی کر کے لاتا ہو؟''

''محمود! تو بھی بڑا بھولا بھالا ہے، بھلا اتنے کم پیسوں میں ہمیں کہیں سے موٹر مل سکتی ہے، یہ تو میری سمجھ داری ہے کہ میں اسے قائل کر کے اس سے اونے پونے داموں یہ موٹریں اور دیگر ساز و سامان خرید لیتا ہوں اور اچھے منافع پر بک بھی جاتا ہے۔ ویسے ہمیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے، پیڑ گننے کا کیا فائدہ؟''

''وہ بات تو ٹھیک ہے شیخ صاحب! لیکن اگر وہ چوری کر کے لاتا ہے تو ہم بھی اس

جرم میں برابر کے شریک ہیں۔''

''لو، بھلا وہ ہمیں آ کر کبھی بتاتا ہے کہ اس نے یہ سامان چوری کیا ہے۔ جب ہمیں پتا ہی نہیں کہ یہ سامان چوری کا ہے یا نہیں، تو خواہ مخواہ پریشان ہونے کی کیا ضرورت؟ جرم کرتا ہوگا تو یہ گناہ اسی کے سر لگے گا، ہمیں کیا؟''

شیخ صاحب کو بھی اس بات کا احساس تو تھا کہ ہو نہ ہو ہر تھوڑے عرصے بعد یہ شخص جو موٹریں اور پرانے نلکے یا پائپ وغیرہ فروخت کرنے آ جاتا ہے تو ضرور یہ چوری ہی کرتا ہوگا، مگر وہ خود ہی بات کی تہ میں جانے کے خواہش مند نہ تھے۔ آخر یوں آسانی سے آتی ہوئی آمدنی کو کون چھوڑتا ہے؟ یہ تو اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے والی بات تھی۔

ان کے ہاں کام کرنے والے ملازم محمود کو یہ بات کھٹکتی تھی، لیکن اس نے بھی اپنے کام سے کام رکھنے میں ہی عافیت جانی، کیوں کہ یہ اس کی ملازمت کا بھی معاملہ تھا۔

لیاقت کالونی میں رہنے والوں کے لیے خاصی تکلیف دہ بات تھی، کیوں کہ آئے دن کسی نہ کسی کے گھر سے کوئی نہ کوئی شے چوری ہو جاتی تھی۔

ریٹائرڈ صوبیدار صاحب کے ہاں سے تو کوئی چور سرِ شام ہی موٹر اُتار کر لے گیا۔ ان کا بیٹا تو ملازمت کے سلسلے میں دوسرے شہر میں تھا۔ گھر میں بیٹی، بہو اور ایک پوتا، ایک پوتی ہی تھے۔ نہ جانے ان سب کی موجودگی میں کس طرح کوئی شام کے وقت دیوار پھلانگ کر آیا اور موٹر کے نٹ وغیرہ کھول کر دیوار کے ذریعے ہی اسے لے کر بھاگ نکلا۔ محلے والوں میں سے بھی کسی نے اسے بھاگتے نہیں دیکھا۔ خود صوبیدار صاحب کے گھر والوں پر بھی اُس وقت انکشاف ہوا جب انھوں نے ٹنکی میں پانی بھرنے کے لیے موٹر چلانی چاہی۔



اسی محلے میں رہنے والے سلیمان صاحب نے ایک فالتو موٹر یونہی گیراج کے کونے میں رکھی ہوئی تھی۔ جب کبھی ایک موٹر خراب ہوتی تو فوری طور پر دوسری لگالی جاتی۔ ایک دن جب دوسری موٹر کی ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ غائب ہو چکی ہے اور گھر والوں میں سے کسی کو خبر نہ ہوئی۔

سلیمان نے محلے کے چوکیدار سے بھی معلوم کیا کہ رات جب گشت کے لیے آتے ہو تو کبھی کسی چور اُچکے کو نہیں دیکھا۔

''نہیں جناب! ویسے یہ چور اُچکوں کا نہیں، بلکہ کسی نشے باز کا کام ہے وہی ایسی حرکتوں میں ملوث ہوتے ہیں۔''

''چلو، جو بھی ہے، ہمارا تو نقصان ہوگیا۔ شکر ہے کہ دوسری موٹر کے نٹ اس

بدبخت سے کھل نہ سکے، اس لیے وہ بچ گئی۔''

چند روز کے بعد سلیمان صاحب نے اپنی موٹر پر احتیاطاً ایک زنجیر اور تالا بھی لگوالیا، تاکہ اگر کوئی چاروں نٹ کھولنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو کم از کم تالے اور زنجیر کے باعث موٹر نہ چرالے جائے۔

غرض لیاقت کالونی کے مکینوں کے لیے یہ ایک مشکل بنی ہوئی تھی کہ موٹریں اکثر چُرالی جاتی تھیں۔ کوئی تو کہتا کہ یقیناً یہ ایک بڑا گروہ ہے، جو دہشت گردی پھیلا رہا ہے۔ کسی کا کوئی اور خیال ہوتا۔ خیر جو کچھ بھی تھا، موٹریں چُرانے والا بہت محتاط اور ہوشیار تھا۔ ایسی چالاکی اور ہوشیاری سے کام کرتا تھا کہ آج تک پکڑا نہیں گیا تھا۔

لیاقت کالونی سے چند کلومیٹر آگے ایک نئی آبادی میں سلطان سینٹری کے شیخ صاحب کا نیا مکان زیرِ تعمیر تھا۔ اَب تو کام تکمیل کو پہنچ چکا تھا اور وہ جلد ہی وہاں منتقل ہونے والے تھے۔

صبح جب اُن کا ملازم محمود دکان پر پہنچا تو چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ گھبرائی ہوئی آواز میں وہ تقریباً چلّاتے ہوئے بولا: ''شیخ صاحب! شیخ صاحب! غضب ہوگیا، غضب ہوگیا!''

شیخ صاحب نے اپنے ہاتھ میں پکڑی رسیدوں سے نگاہیں اوپر اُٹھاتے ہوئے پوچھا: ''ارے تجھے ہر وقت کوئی نہ کوئی مصیبت ہی پڑی رہتی ہے۔ نہ سلام نہ دعا اور صبح صبح بُری خبر دینے آ گیا۔ کون فوت ہوگیا ہے؟''

محمود نے اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے جواب دیا: ''شیخ صاحب! وہ، وہ

دراصل رات کوئی آپ کے نئے والے مکان سے موٹر اور نلکے چُرا کر لے گیا۔ میں نے جب صبح آتے ہوئے آپ کے مکان کے بلب بند کرنے کے لئے گیٹ کھولا تو پتا چلا کہ یہ واقعہ رونما ہو چکا ہے۔''

شیخ صاحب نے غصے سے کہا: ''میں چھوڑوں گا نہیں، چھوڑوں گا نہیں اس بدبخت کو۔''

محمود نے حیرت سے پوچھا: ''شیخ صاحب! کس بدبخت کو؟''

''وہی کمینہ جو چوری کا سامان بیچنے آتا تھا۔ آ لینے دو ذرا اُسے، میں نے پولیس کے حوالے نہ کیا تو میرا نام بھی شیخ عبدالمجید نہیں۔''

''مگر شیخ صاحب! آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا سامان اسی نے چوری کیا ہے۔''

''اچھا تو پھر میاں تم ہی نے موٹر چُرائی ہوگی، کیوں کہ مجھے تو اسی ایک چور کا پتا ہے اور تجھے بھی پتا ہے کہ وہی چور ہے۔''

''شیخ صاحب! مجھے تو پہلے ہی پتا تھا، مگر آپ علم ہونے کے باوجود بھی لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ اب ہمارے اپنے سر پر ہی مصیبت آن پڑی۔''

''اچھا چلو چلو، اب نظر رکھو، اگر کوئی بھی موٹر یا نلکے وغیرہ بیچنے آیا تو وہ جانے نہ پائے۔''

''شیخ صاحب! میرا خیال ہے کہ وہ چوری کر کے فوراً ہی بیچنے کے لیے نہیں آجائے گا۔ کچھ عرصے بعد ہی آئے گا۔''

اب واقعی شیخ صاحب کو شدت سے انتظار تھا کہ وہ موٹر چور آئے تو اس کو قابو میں کیا جائے۔ احتیاطاً انھوں نے قریبی تھانے میں اپنے جاننے والے پولیس افسر کو بھی فون پر اطلاع دے دی تھی۔



وہی ہوا جیسا محمود نے کہا تھا۔ کئی روز تک وہ موٹر چور دکان پر نہ آیا، حتیٰ کہ یہ واقعہ شیخ صاحب کے ذہن میں بھی مدہم پڑنے لگا۔

پھر ایک روز وہی شخص ایک موٹر بیچنے آیا۔ شیخ صاحب نے فوراً ہی پولیس کو اطلاع کر دی، اگرچہ وہ موٹر جو بکنے کے لیے آئی تھی، ان کی اپنی موٹر سے مختلف تھی۔

شیخ صاحب کے اپنے چند ملازمین کے علاوہ اردگرد کے دکان داروں نے بھی اس کو گھیر لیا۔ شیخ صاحب نے بھی اپنے بھاری بھرکم ہاتھ اس شخص کے گال پر جڑ دیے اور اس کو لعن طعن کرنے لگے۔

''چلو چلو، اس کو پولیس سٹیشن لے کر چلو۔'' ہجوم میں سے آواز آئی۔

کسی اور نے کہا: ''اس کی یہیں خوب ٹھکائی کرو۔ خود ہی طبیعت صاف ہو جائے گی۔''

تاہم شیخ صاحب لیڈری کرتے ہوئے ہجوم کو ہمراہ لیے اس شخص کے ساتھ تھانے جا پہنچے۔

''تھانے دار صاحب! یہ عادی مجرم ہے اور بڑے عرصے سے ایسی کارروائیوں میں ملوث ہے۔''

''آپ اتنے اعتماد سے یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' تھانے دار نے تحمل سے پوچھا۔

اس لیے کہ یہ کئی مہینوں سے میرے پاس چوری کی موٹریں اور نلکے بیچنے آرہا ہے۔''

شیخ صاحب جذبات میں آکر بولتے چلے گئے اور سوچا بھی نہیں کہ ان کے الفاظ ان کو بھی مجرم ثابت کر رہے ہیں۔

تھانے میں جو اہل کار شیخ صاحب کا جاننے والا تھا وہ بھی کچھ کھسیانا سا ہو گیا، حالانکہ پہلے شیخ صاحب کی بڑی حمایت کر رہا تھا۔''

تھانے دار صاحب نے بڑی حکمت اور سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا: ''شیخ صاحب! اگر آپ کو پتا تھا کہ یہ شخص چوری کی اشیا فروخت کرتا ہے تو آپ خریدتے کیوں تھے؟''

شیخ صاحب کا حلق خشک ہوا تو وہ تھوک نگلتے ہوئے بولے: ''وہ، وہ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ یہ رڈی یا کباڑ کی اشیاء ہوتی تھیں۔

تب وہ مجرم بول اُٹھا: ''تھانے دار صاحب! میں غربت اور اپنے معاشی حالات کے ہاتھوں تنگ آ کر گزشتہ تین چار ماہ سے چوریاں کر رہا تھا، مگر میرے جرم میں یہ برابر کے شریک ہیں۔ میں نے سامان ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ بیچا۔ انھوں نے اچھا بھلا اور ستھری حالت والا سامان مجھ سے بہت ہی کم پیسوں میں خریدا۔ میں نے کئی اور دکانوں پر بیچنا چاہا تو کسی نے میرا اعتبار نہ کیا۔ ان کی وجہ سے میں اس راستے پر چل نکلا اور مجھے اور زیادہ دلیری حاصل ہوگئی۔ میں نے ملازمت کی کوشش کی، مگر کوئی میری ضمانت دینے والا ہی نہیں تھا۔''

تھانے دار صاحب کو اس نوجوان کی آنکھوں میں سچائی کی جھلک واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ شیخ صاحب کو مخاطب کر کے بولے: ''شیخ صاحب! دل تو چاہتا ہے کہ اس نوجوان کے ساتھ آپ کو بھی اندر کر دوں، لیکن آپ باعزت شہری ہیں۔ میرا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ جوان عادی مجرم نہیں، بلکہ مجبور ہے۔ اس کی مجبوری نے اسے غلط کام کے لیے اُکسایا اور آپ نے اپنے نفع کے لیے اس کی مجبوری کا مزید فائدہ اُٹھایا اور اس راہ پر اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اب میں چاہوں گا کہ آپ ہی اس نوجوان کو سیدھے راستے پر لانے میں میری مدد کریں۔''



شیخ صاحب نے حیرانی سے تھانے دار صاحب کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگے: ''میں اس نوجوان کی نگرانی کروں گا۔ آپ اِسے اپنے پاس ملازمت دے دیں اور سینٹری کا کام بھی سکھائیں۔ اگرچہ سبھوں کے لیے یہ ایک حیران کن تجویز تھی، مگر سب کی نگاہیں شیخ صاحب کی جانب لگی ہوئی تھیں گویا وہ سب متمنی تھے کہ ہاں میں ان کا جواب حاصل کر سکیں۔

وہ نوجوان بھی سکتے کے عالم میں تھانے دار صاحب کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب جیل کی سزا کے علاوہ اس کے مقدر میں کچھ نہیں۔ اگرچہ اس نے پکڑے جانے کے فوراً بعد ہی توبہ کر لی تھی اور یہ کام کرتے ہوئے کئی بار خدا سے معافی بھی مانگتا۔

شیخ صاحب نے کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد اس نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''بیٹا! مجھے معاف کر دینا، مجھے پہلے بھی تمھاری آنکھوں میں سچائی نظر آتی تھی، مگر لالچ نے میری آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا۔''

پھر تھانے دار کو مخاطب کر کے بولے: ''ٹھیک ہے تھانے دار صاحب! مجھے خوشی ہوگی کہ اس نوجوان کو اپنے پاس ملازمت دے دوں۔''

تھانے دار صاحب بولے: ''شاباش! مجھے آپ سے یہی اُمید تھی۔ مبارک ہو آپ کے تعاون سے ایک شخص نیک راہ پر آ گیا۔''

شیخ صاحب مسکراتے ہوئے بولے: ''ایک نہیں دو، کیوں کہ آپ کی نصیحت کے باعث میں بھی راہِ راست پر آ گیا۔''

☆☆☆

# پیارے شہیدِ پاکستان

ادیب سمیع چمن

قوم کے محسن ، قوم کے ہمدم
تجھ پہ نچھاور میرا تن و من
اونچی و اعلا تیری شان

تیری یاد ہے تازہ ہر دم
تجھ پہ قرباں میری جان
پیارے شہیدِ پاکستان

تیرے اقدام و عمل سے
اونچی و اعلا تیری شان

جگ میں روشن تیرا نام
پیارے شہیدِ پاکستان

تجھ میں پاتے شاعرِ مشرق
تیری باتیں قائم و دائم
اونچی و اعلا تیری شان

تُو ہی مغرب ، تُو ہی مشرق
تجھ میں پنہاں قائداعظم
پیارے شہیدِ پاکستان

خالی ہاتھوں آیا وطن میں
اپنی حکمت اور محنت سے
اونچی و اعلا تیری شان

پھول بنا ، مہکا تُو چمن میں
تُو نے بنائی اک پہچان
پیارے شہیدِ پاکستان

ایسی تُو نے شان دکھائی
اب ہم کو احساس ہوا ہے
اونچی و اعلا تیری شان

دنیا بھر میں شہرت پائی
تیرا ہم پر ہے احسان
پیارے شہیدِ پاکستان

پربت پربت ، دریا دریا
ڈھونڈا چمن نے سارا عالم
اونچی و اعلا تیری شان

بستی بستی ، قریہ قریہ
تجھ سا نہ پایا اک انسان
پیارے شہیدِ پاکستان

## علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

### ذرا سوچیے ......!

مرسلہ : زہیر ذوالفقار بلوچ، کراچی

مسجدوں پر کوئی داخلہ فیس نہیں ہے، مگر پھر بھی سنسان ہیں، جب کہ سینما اور کلب پر داخلہ فیس ہوتی ہے، مگر پھر بھی وہاں پر ہجوم ہوتا ہے۔ یہ تو بہت عجیب بات ہوئی کہ ہم مسلمان مفت میں '' جنت '' نہیں لینا چاہتے اور پیسے دے کر '' دوزخ '' خرید رہے ہیں۔ ذرا سوچیے ......!

### یہ سچ ہے کہ......

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

اگر سچائی کو اس کی اصل ضرورت کے وقت پیش نہ کیا جائے تو اس کے وجود کا اعتراف بے کار ہے، کیوں کہ چراغ جلانے کا اصل وقت غروبِ آفتاب کے بعد ہی آتا ہے۔

### بخشو چاچا

مرسلہ : فہد احمد، پشاور

بخشو چاچا کے علاقے میں بجلی آنے والی تھی۔ کھمبے لگ چکے تھے، لیکن ابھی پاور ہاؤس سے بجلی آن نہیں ہوئی تھی۔ چند لوگ مل کر علاقے کے ایم این اے کے پاس جا رہے تھے، تاکہ واپڈا والے بجلی آن کر دیں۔

بخشو چاچا نے اپنے دو کمروں کی وائرنگ کروادی تھی، لیکن بجلی کا کام کرنے والے نے ابھی بلب نہیں لگائے تھے۔ جب بخشو چاچا نے یہ سنا کہ یہ لوگ تاروں میں بجلی لانے کی جلدی کر رہے ہیں تو چاچا نے ان سے کہا کہ ابھی تاروں میں بجلی نہ ڈالی جائے، کیوں کہ اس کے گھر میں بلب نہیں لگے۔ بجلی آئی تو بہ جائے گی۔

اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔ وفد کے سربراہ نے چاچا کو مشورہ دیا کہ جہاں بلب نہیں

لگے وہاں ڈرم رکھ کر اس میں بجلی بھر لینا۔

## معلومات عامہ

مرسلہ : ایم اختر اعوان، کراچی

☆ حکمت ایک درخت ہے جو دل سے اُگتا ہے اور زبان سے پھلتا ہے۔

☆ ندامت کا آنسو گناہوں کے داغ دھبے دھوڈالتا ہے۔

☆ غرور تباہیوں کا پیش خیمہ ہے۔

☆ خود کو کم تر اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ بہتر جانو۔

☆ لوگوں کے اکثر گناہ زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔

## بُرا نہ چاہو

نازیہ پُھل، نوشہرو فیروز

ایک بادشاہ کا غلام بھاگ گیا۔ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وزیر کی اس غلام سے دشمنی تھی۔ اس وزیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ غلام نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

''حضور کے سامنے میرا سر خم ہے، کیوں کہ میں حضور کا نمک کھا کر پلا ہوں، اس لیے نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن آپ پر میرے قتل کا ناحق الزام لگایا جائے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس وزیر کو مار ڈالوں، پھر اس کے قصاص میں آپ مجھے قتل کر دیں۔ اس صورت میں میرا قتل جائز ہوگا۔''

بادشاہ ہنس پڑا اور وزیر سے کہا:

''اب تمھاری کیا رائے ہے؟''

وزیر نے کہا: ''جہاں پناہ! میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ خدا کے لیے اور اپنے والد بزرگوار کی قبر کے صدقے میں اس کو آزاد کر دیجیے، تاکہ یہ مجھے کسی مصیبت میں نہ پھنسا سکے۔''

## قیمت

مرسلہ : طیب محمود، نواب شاہ

رات کا وقت تھا۔ طوفانی بارش میں ایک بوڑھا روڈ پر کتاب بیچ رہا تھا۔ ایک صاحب کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے اس بوڑھے سے کتاب کی قیمت پوچھی۔ بوڑھا



بولا: ''تین ہزار روپے۔''

ان صاحب نے پوچھا: ''اس میں کوئی خاص بات ہے؟''

بوڑھا بولا: ''اس کتاب کا آخری صفحہ مت پڑھنا، ورنہ آنکھیں کھلی کی کھلی اور چہرہ بگڑ جائے گا۔''

وہ صاحب کتاب خرید کر گھر لے گئے۔ گھر جا کر آخری صفحہ کھولا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور چہرہ بگڑ گیا، کیوں کہ کتاب کی قیمت صرف تیس روپے تھی۔

## معاشرہ

مرسلہ : اُمِ حلیم، حیدرآباد

انسانی معاشرہ کسی خراب آدمی کے کردار سے تباہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ برباد ہوتا ہے جب اچھے لوگ اچھائی کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک آدمی سے معاشرہ نہیں سدھرتا، لیکن اگر کوئی ایک انسان اچھی تبدیلی کے لیے چراغ جلاتا ہے تو چاہے روشنی کم ہی سہی، مگر ہوتی ضرور ہے۔ بس اسی ایک دیے کی ضرورت ہر معاشرے کو ہمیشہ رہتی ہے اور پھر چراغ سے چراغ جلتے جائیں تو ہر طرف اُجالا ہی اُجالا ہو جاتا ہے۔

## خوش نصیب اور بدنصیب ماں

مرسلہ : ماہ نور طاہر، ایف سی ایریا

دنیا کی سب سے خوش نصیب اور بدنصیب ماں نپولین بونا پارٹ کی ماں تھی۔ خوش نصیب اس لیے کہ اس کے تمام بیٹے بادشاہ بنے اور تمام بیٹیاں ملکہ بنیں۔ بدنصیب اس لیے کہ اس کی تمام اولادیں اس کے سامنے ماری گئیں۔

## گڑھے

مرسلہ : بی بی سمیرہ بتول، حیدرآباد

ابرار الرحمٰن اپنے دوست عطاء الرحمٰن کو اپنی موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کر روانہ ہوئے تو عطاء الرحمٰن صاحب کانی گھبرا رہے تھے، کیوں کہ وہ موٹر سائیکل پر سفر کے عادی نہیں تھے۔ ابرار الرحمٰن صاحب نے تیز رفتاری سے ایک شارع پر موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے عطاء الرحمٰن صاحب کو اونچی آواز میں تسلی دی: ''آپ کو گھبرانے

کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ میں دن میں کئی مرتبہ اس سڑک سے گزرتا ہوں، اس کا چپا چپا میرا دیکھا بھالا ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ اس سڑک پر کہاں کہاں گڑھا ہے۔''

عین اسی وقت موٹر سائیکل ایک گڑھے سے گزری اور بُری طرح اُچھلی۔ عطاء الرحمٰن صاحب گرتے گرتے بچے۔ ابرارالرحمٰن نے بات جاری رکھی: ''اور یہ انھی گڑھوں میں سے ایک گڑھا تھا۔''

## معلومات ہی معلومات

مرسلہ: سیدہ اُجالا حسن عابدی، پنڈ دادن خان

☆ کیلا ایک قدرتی کیمیکل رکھتا ہے جو انسان کے موڈ کو خوشگوار بناتا ہے۔ کیلا دنیا کا مقبول ترین پھل ہے، جو ہر جگہ، ہر موسم میں دستیاب ہے۔

☆ چین اور جاپان میں میزبان کو تربوز کا تحفہ دینا بہترین تصور سمجھا جاتا ہے۔

☆ سیب پانی میں تیر سکتا ہے، کیوں کہ اس میں ۲۵ فی صد ہوا ہوتی ہے۔

☆ ایک اوسط انار میں ۱۰۰۰ سے زیادہ بیج ہوتے ہیں۔

☆ خشک پھل تازہ پھلوں کے مقابلے میں زیادہ کیلوریز رکھتے ہیں۔

☆ دنیا بھر میں بیجوں کی ۷۰۰۰ مختلف اقسام پائی جاتی ہیں۔

☆ ٹماٹر، سبزی نہیں، پھل ہے۔

## باتونی پڑوسی

مرسلہ: پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

ایک آدمی بہت باتونی تھا۔ ایک دن اس کے گھر کے سامنے نئے پڑوسی آئے۔ باتونی آدمی پڑوسیوں سے ملنے چلا گیا۔ وہ نئے پڑوسی سے باتیں کر رہے تھے، پڑوسی اس کی باتوں سے تنگ آچکا تھا۔ باتونی آدمی نے پوچھا: ''آپ کے بڑے بیٹے کی کیا عمر ہے؟''

''بیس سال کا ہے۔''

''کرتا کیا ہے؟''

نیا پڑوسی تنگ آچکا تھا۔ اس نے جھنجلا کر کہا: ''وہ گدھا ہے۔ گدھوں جیسے کام کرتا ہے۔''

باتونی آدمی نے کہا: ''یہ تو اور اچھی بات ہے، کیا وہ اس وقت فارغ ہے؟ دراصل مجھے کچھ سامان اپنی دکان تک پہنچانا ہے۔'' ☆





# بیت بازی

یا رب مرے وطن میں اک ہوا چلا
جو اس کے رُخ سے گرد کے دھبے اُتار دے
شاعر: احمد ندیم قاسمی پسند: عالیہ ذوالفقار، کراچی

کونین کی چیزوں میں مجھے کچھ نہیں بھاتا
جس دن سے مرے سر میں ہے سودائے مدینہ
شاعر: سالک رام گرداری پسند: عثمان سفیان، کراچی

جو گزاری نہ جاسکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے
شاعر: جون ایلیا پسند: سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

سبق یہ بھی سکھایا زندگی نے
بہت کھویا تو کچھ پایا کسی نے
شاعرہ: سکینہ ساجد پنہاں پسند: ناجیہ وسیم، کراچی

لوگ منھ پھیر کے گزرے تو خطا کیا ان کی
اپنی صورت بھی ہے اُجڑے ہوئے شہروں جیسی
شاعر: مولانا کوثر نیازی پسند: محمد منیر نواز، ناظم آباد

ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں، دل کو دل بنانے میں
شاعر: بشیر بدر پسند: خرم خان، نارتھ کراچی

تم کہاں جاؤ گے سوچو محسن
لوگ تھک ہار کے گھر جاتے ہیں
شاعر: محسن نقوی پسند: روبینہ ناز، کراچی

ہم پہ وہ، مہرباں زیادہ ہے
اس یقیں میں گماں زیادہ ہے
شاعر: رحمان خاور پسند: گلنار نسیم، ملتان

جسم صحرا ہو چکے ہیں، ذہن بنجر ہوگئے
ہم کہاں زندہ ہیں دیکھو، ہم تو پتھر ہوگئے
شاعر: اختر جونا گڑھی پسند: حسام عامر، نئی کراچی

کاغذ کی ناؤ لے کے سمندر پہ جائیں گے
اہلِ ہنر کو ضد ہے کہ ان کو بھنور ملے
شاعر: سعد الدین سعد پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

فیصلہ کر کے پہلے، پھر اس نے
مجھ سے میرا خیال پوچھا ہے
شاعر: شاہ نواز سواتی پسند: حرا وقاص، کراچی

نہ جانے کیسے سفر کی ہے آرزو دل میں
کہ اپنے گھر میں ہوں صادق مسافروں کی طرح
شاعر: صادق نسیم پسند: دوست محمد، لاڑکانہ

وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تُو نے منھ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں
شاعر: اسلم انصاری پسند: آصف بوزدار، میرپور ماتھیلو

امتحان میں ڈال کر جاؤ نہ تم
کل ہی تو نکلے تھے ہم منجدھار سے
شاعر: اختر نادم پسند: فیصل علی، نارتھ کراچی

## تاریخی، دینی اور معلوماتی کتابیں

### امت کی مائیں

اس کتاب میں ان قابلِ احترام خواتین کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں جن کو اپنی زندگیوں کا بڑا حصہ حضور ﷺ کے سایۂ رحمت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اُمت کی مائیں کہلائیں۔ یہ سعادت ان کو کیسے حاصل ہوئی؟ یہ جاننے کے لیے جناب حسین حسنی کی یہ کتاب ضرور پڑھیے۔ اُمت کی ماؤں کی زندگیاں صبر و رضا، ایثار اور خدمت کے قابل قدر نمونے ہیں اور خاص طور پر مسلمان بچیوں اور خواتین کے لیے سبق آموز ہیں۔

صفحات : ۴۰ قیمت : ۴۰ رپے

### قرآنی کہانی

### حضرت یوسف علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بعض انبیا علیہم السلام کے سچے واقعات بیان کیے ہیں، تاکہ ہم ان سے رہنمائی اور سبق حاصل کرسکیں۔ ایسا ہی ایک قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے، جو قرآن پاک کے خاص قصوں میں سے ایک ہے اور بہت دل چسپ ہے۔

یہ قصہ پروفیسر نصیر احمد چیمہ نے قرآنی کہانی کے طور پر نہایت آسان اور دل چسپ زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ آسانی سے پڑھا جائے۔

خوب صورت رنگین ٹائٹل، صفحات : ۳۲ قیمت : ۳۰ رپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

## تعلیم ضروری ہے

حکیم خاں حکیم

محنت سے پڑھو بچو! تعلیم ضروری ہے
تم آگے بڑھو بچو! تعلیم ضروری ہے
تعلیم ہی جینے کا انداز سکھاتی ہے
اچھا ہے بُرا ہے کیا، یہ ہم کو بتاتی ہے
آدابِ خداوندی تعلیم سکھاتی ہے
حیوان سے ہم کو یہ انسان بناتی ہے
دنیا کی ترقی کا اس سے ہی ہوا آغاز
انسان کی عظمت کا پنہاں ہے اسی میں راز
تعلیم سے انساں کے سب دور ہوئے آزار
تعلیم نے فرحت کے رَستے کو کیا ہموار
تعلیم سے ہی سارے یہ ملک ہوئے آباد
تعلیم سے انساں نے سب کچھ کیا ایجاد
ہر سوچ ادھوری ہے ایمان ادھورا ہے
تعلیم کے بن بچو! انسان ادھورا ہے

# دین اور دینار

بغداد کی ایک مسجد میں چند دولت مند آئے۔ گھیرا بنا کر بیٹھ گئے۔ دینار کا ڈھیر تھا۔ وہ گن رہے تھے اور آپس میں تقسیم کر رہے تھے۔ اس دوران مسجد کے کونے میں بیٹھا ہوا ایک فقیر آگے آیا اور ان دولت مندوں سے پچاس درہم بھیک مانگی۔ سب نے فقیر کو جھڑک دیا۔ وہ غریب اور خستہ حال پھر جا کر کونے میں بیٹھ گیا۔ دولت مند اُٹھے اور چلے گئے۔

اچانک فقیر کی نگاہ پڑی، دیکھا کہ دینار کی ایک تھیلی وہ بھول گئے ہیں۔ فقیر نے تھیلی اُٹھا کر ایک کونے میں مٹی کے ڈھیر پر ڈال دی اور عبادت میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد دولت مند گھبرائے ہوئے آئے اور فقیر سے پوچھا: ''بابا! ہم یہاں دینار سے بھری ایک تھیلی بھول گئے ہیں۔ کیا تم نے دیکھی ہے؟''

فقیر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: ''ہاں دیکھی ہے۔ وہ مٹی کے ڈھیر پر پڑی ہے۔''

دولت منداس طرف تیزی سے گئے۔ تھیلی کھولی۔ پورے پانچ سو دینار تھے۔ واپس آئے فقیر کو پچاس دینار دینے لگے، مگر اس نے پچاس دینار قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک دولت مند نے حیران ہو کر کہا: ''میاں! تم تو پچاس درہم بھیک مانگ رہے تھے۔ ہم تو پچاس دینار دے رہے ہیں اور تم انکار کر رہے ہو۔''

فقیر نے جواب دیا: ''وہ پچاس درہم میں فی سبیل اللہ مانگ رہا تھا۔ تم دیتے تو تم کو ثواب ملتا۔ میں پچاس دینار لے کر دنیا کی خاطر اپنے دین کو قربان نہیں کر سکتا۔'' ☆



# ڈاکٹر سیب

فرزانہ روحی اسلم، سعودی عربیہ

''ارے سنتی ہو، رفی کی ماں! آج مزہ آ گیا۔ ایک پختون نوجوان نے اپنے دوست سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا: ''یہ ڈاکٹر سیب کا والد ہے، یعنی یہ ڈاکٹر صاحب کے والد ہیں۔''

سردار صاحب ہنستے ہوئے صوفے پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ان کی بیگم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بیٹی ڈاکٹر رافیہ کو دیکھ رہی تھیں، جو اپنے والد کو یوں ہنستا دیکھ کر منھ بنا کر کمرے میں جا گھسی تھی۔

ڈاکٹر رافیہ بچوں کے امراض کی ماہر تھیں۔ وہ ایک انسان دوست، خوش اخلاق اور اپنے کام سے لگاؤ رکھنے والی ڈاکٹر تھیں۔ وہ سرکاری اسپتال میں ڈیوٹی دیا کرتی تھیں، جہاں دور دور سے لوگ اپنے بچوں کا معائنہ کرانے آیا کرتے۔

ڈاکٹر رافیہ غریب والدین کے بچوں کا علاج کر کے نہایت خوش ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے، مگر ان کی ڈیوٹی ایک ایسے علاقے میں تھی، جہاں لوگوں کی زبان پر ڈاکٹر سیب، ڈاکٹر سیب ہی ہوتا۔ پہلے تو وہ چڑ جاتیں۔ پھر اپنے کام میں مگن ہو جاتیں۔ وہاں زیادہ تر پختون برادری آباد تھی، جن کی مادری زبان اردو نہیں تھی۔

گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی وہ ایک غریب بستی میں لگنے والے طبی کیمپ میں بچوں کا چیک اپ کر رہی تھی۔ ایک ایک بچے کا تفصیلی معائنہ کرنے، ان کے وزن کرنے، ان کے والدین کو مشورہ دینے اور دوا سے لے کر اسپتال بھیجنے میں انھیں خبر ہی نہ ہوئی کہ دو پہر کے کھانے کا وقت گزر چکا ہے۔ یکا یک ان کے پاس ایک حادثاتی مریض لایا گیا۔

یہ ایک آٹھ سالہ بچہ تھا، جو بے ہوشی کے عالم میں لایا گیا تھا۔ اس کی روتی ہوئی ماں نے بتایا کہ وہ درخت پر سے گرا ہے۔ کافی دیر کے بعد آخر اسے ہوش آ ہی گیا۔ تب کہیں جا کر اس کی ماں کے آنسو تھمے۔ وہ ڈھیروں دعائیں دینے لگی۔ جس سے ڈاکٹر رافیہ کو بہت سکون مل رہا تھا۔ وہ ان دعاؤں سے اپنے اندر طاقت محسوس کر رہی تھیں کہ اچانک ان کا منھ لٹک گیا۔ بچے کا باپ کہہ رہا تھا: ''اللہ آپ کو خوش رکھے ڈاکٹر سیب!''

وہ چڑ گئیں، مگر انھیں اس بات کا احساس تھا کہ وہ ایک مسیحا ہیں۔ لہٰذا اپنے غصے کو چھپانے کے لیے انھوں نے اپنا رخ دوسری جانب کر لیا۔

شام کو جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئیں تو تھکن کے باوجود انجانی خوشی سی محسوس کر رہی تھیں۔ گھر جا کر اپنے والد سردار صاحب کو انھوں نے پورے دن کی رُوداد سنائی، مگر وہ بات چھپا گئیں، جس میں مریض بچے کے باپ نے آخر میں انھیں وہی کہہ دیا تھا، جس پر ان کے والد خوب ہنستے تھے۔

اس دن سردار صاحب مغرب کی نماز پڑھ کر گھر لوٹے ہی تھے کہ کسی نے بیل بجائی۔ چوکیدار نے بتایا کہ کوئی غریب آدمی ہے، جو ڈاکٹر رافیہ کا پوچھ رہا ہے۔ سردار صاحب نے اسے اندر بلا لیا اور بتایا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اسپتال سے آئی ہیں اور اس وقت سو رہی ہیں۔ وہ غریب آدمی ان کی بیٹی کے لیے ایک تھیلے میں تحفہ لے کر آیا تھا۔ سردار صاحب نے اسے چائے پلوائی اور عزت سے رخصت کیا۔ وہ بھی دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

ابھی وہ آدمی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا کہ سردار صاحب کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ وہیں لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ان کی بیگم دوڑتی ہوئی لان میں آئیں تو وہ تھیلے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہنسی کا فوارا تھا، جو بند ہوتا تو کوئی لفظ ان کے منھ سے



نکلتا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس آدمی کی موجودگی میں وہ اپنی ہنسی دبائے بیٹھے رہے، جو اُس کے جاتے ہی اُبل پڑے ہیں۔

''ارے کچھ بتائیے بھی تو...... ہوا کیا؟'' بیگم نے پوچھا: ''اور اس تھیلے میں کیا ہے؟''

''ڈاکٹر سیب کے لیے، سیب لے کر آیا تھا ان کا مریض۔'' یہ الفاظ بڑی مشکل سے ان کی زبان سے ادا ہوئے۔

''توبہ ہے، آپ بھی حد کرتے ہیں۔'' بیگم بولیں: ''اور اسے سیب ہی لے کر آنا تھا۔''

اس بات سے سردار جی پر دوبارہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

ان کی بیگم نے تھیلا اُٹھایا اور کچن کی طرف یہ کہتی ہوئی چل دیں: ''اسے میں کہیں اندر رکھے دیتی ہوں، کہیں سیب کو دیکھ کر رافیہ چڑ ہی نہ جائے۔''

اگلے ہفتے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رافیہ کو اپنے شعبے میں مزید مہارت حاصل کرنے بیرونِ ملک جانا تھا۔ دراصل ملک میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ جس میں بڑی تعداد میں بچے بھی زخمی ہو جاتے تھے۔ ان کی سرجری کی اعلا تربیت کے لیے انھیں بیرونِ ملک بھیجا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر رافیہ خوش تھیں کہ اسی بہانے انھیں مزید کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ جلد ہی وہ ڈاکٹروں کے ایک گروپ کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

وہاں سب کچھ بہت اچھا تھا۔ تندہی سے کام کرنے والے ڈاکٹروں کے ساتھ ان کی بھی اچھی تربیت ہوئی، مگر انھیں کچھ بے چینی سی محسوس ہوتی تھی۔ جسے دور کرنے کے لیے وہ اپنے والدین کو فون کرتیں، بہنوں سے بھی بات ہوتی، مگر پھر بھی کچھ کمی تھی جو بہت محسوس ہو رہی تھی۔ سردار صاحب ان کا حوصلہ بڑھاتے کہ چند دنوں کی بات ہے کچھ سیکھ کر ہی واپس آؤ گی تو پُرسکون ہو جاؤ گی۔ سردار صاحب اصل بات سمجھ رہے تھے، مگر کچھ نہ بولے کہ کہیں ان کی بیٹی کو بُرا نہ لگ جائے یا اس کا تربیت سے دھیان نہ بٹ جائے، مگر پھر بھی ان سے چپ نہ رہا گیا۔ بیگم سے بولے: ''اسے وہاں کوئی ڈاکٹر سیب کہنے والا جو نہیں ہے، اس لیے وہ بے چین ہے۔'' پھر وہ ہنسنے لگے۔

اللہ اللہ کر کے چھے ماہ گزر ہی گئے۔ ڈاکٹر رافیہ واپس آ گئیں۔ ابھی انھیں آئے ایک دن بھی نہیں گزرا تھا کہ ملک میں دہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ ہوگیا۔ جس میں زخمی ہونے والوں میں بچے بھی تھے۔ ڈاکٹر رافیہ ایمرجنسی فلائٹ سے پشاور گئیں۔ انھوں نے فوری طور پر بچوں کے وارڈ کا دورہ کیا۔ انھیں دیکھتے ہی بچوں کے والدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آوازیں دے رہے تھے۔ ڈاکٹر سیب، ڈاکٹر سیب۔

وہ ایک بچے کا بغور معائنہ کر رہی تھی، جس کی کل ہی سرجری ہوئی تھی۔ زخمی بچے کا باپ



اس کی ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''خانم! امارہ (ہمارا) پُرانا والا ڈاکٹر سیب آ گیا ہے۔ اب امارہ (ہمارا) بچہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اسی لمحے بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ بچے کی ماں خوش ہوتی ہوئی بچے سے مخاطب ہوئی: ''گل خاناں، وہ دیکھو، ڈاکٹر سیب آ گئی۔''

بچے نے ڈاکٹر رافیہ کی طرف دیکھا اس کی ہلکی سی آواز آئی: ''ڈاکٹر سیب۔''

ڈاکٹر رافیہ پہلی بار ''ڈاکٹر سیب'' کا لفظ سن کر مسکرائیں اور بولیں: ''ہاں میں ہوں تمھاری ڈاکٹر سیب۔''

قریب کھڑے دوسرے ڈاکٹر حیران ہو رہے تھے کہ ایک خان صاحب نے ڈاکٹرز سے کہا: ''ہمارا تلفظ ہی ایسا ہے کہ ہم سب کی زبان سے صاحب کی بجائے لفظ ''سیب'' نکلتا ہے۔

☆

# سال گرہ مبارک ہو

حسن ذکی کاظمی

تالیوں کے شور میں بچوں اور بڑوں کی ملی جلی آوازیں اُبھریں۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ مبارک ہو...... مبارک ہو۔"

کمرا بھرا ہوا تھا۔ چار نسلیں ایک جگہ اکٹھا تھیں۔ پارس صاحب، ان کے بیٹا بیٹی، بیٹا بیٹی کی اولاد اور پھر ان کی اولاد۔ ہر سال کی طرح یہ سب لوگ پارس کی سال گرہ منانے اِکھٹے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی ہر سال کی طرح خوشی منا رہے تھے۔ ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے اور پارس کو مبارک باد دے رہے تھے، جیسے ہر سال کا معمول تھا، لیکن آج نہ ان کے چہروں پر وہ خوشی جھلک رہی تھی، جو ہمیشہ ہوتی تھی اور نہ آج ان کی

باتوں میں پہلا سا جوش و خروش تھا۔ ہر چیز پھیکی پھیکی محسوس ہو رہی تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ جتنا وقت گزرتا، کمرے میں اتنی ہی خاموشی چھائے جا رہی تھی۔

جوں ہی گھڑی نے رات کے بارہ بجائے دروازے کی گھنٹی بجی۔ دروازہ کھولا گیا تو پولیس کی وردی پہنے ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پارس کو سلام کرنے کے بعد ایک کاغذ پکڑا دیا۔ پارس نے وہ کاغذ پڑھنے کی ضرورت نہ سمجھی اور کسی سے کچھ کہے بغیر سپاہی کے ساتھ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ انھوں نے نظر اُٹھا کر کسی کی طرف دیکھا بھی نہیں اور دروازے سے باہر نکل گئے۔

سب لوگ خاموش تھے۔ بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر اسی طرح خاموشی رہی اور پھر سب لوگ ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر جانا شروع ہو گئے۔ سب کو یہ معلوم تھا کہ

کیا ہوا ہے، سوائے ٹمی اور مونو کے۔ یہ دونوں ابھی چھوٹے تھے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب جانے والوں کو دیکھتے رہے۔ جب وہ کسی سے سوال کرنا چاہتے تو اشارے سے انھیں خاموش کر دیا جاتا۔

دونوں بچے پہلے ہی سخت حیران تھے۔ خاموش رہنے کے ان اشاروں نے ان کی حیرانی کو اور بڑھا دیا۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ وہ اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔ دونوں کی نیند کے مارے بُری حالت تھی، لہٰذا گھر پہنچتے ہی وہ بستر پر لیٹ کر سو گئے۔ ماں باپ دیر تک جاگتے رہے اور پارس کی باتیں کرتے رہے۔ پھر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ٹمی اور مونو کو ساری بات بتا دیں گے۔

باپ نے کہا: ''میرا خیال ہے اب یہ دونوں اتنے سمجھ دار ہو گئے ہیں کہ اگر انھیں پوری بات سمجھائی جائے تو سمجھ جائیں گے۔''

ماں نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا: ''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن کل اسکول سے واپسی پر اطمینان سے بتانا چاہیے۔''

دوسرے دن اسکول سے واپسی پر ٹمی اور مونو دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ٹمی بولا: ''بھیا! تم کیسی عجیب بات کرتے ہو؟ ہمارے پر دادا اتنے اچھے، اتنے نیک انسان ہیں۔ ان سے بھلا ایسی کون سے غلطی ہو سکتی ہے کہ پولیس والا انھیں پکڑ کر لے جائے۔''

ٹمی کچھ سوچ میں پڑ گیا اور پھر بولا: ''ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا۔ دادا میاں ہیں تو بہت اچھے۔ پھر یہ ہو سکتا کہ کونسل نے انھیں نیا گھر دے دیا ہو، کیوں کہ دادا کا یہ گھر تو بہت چھوٹا

ہے نا۔ چلو دادا میاں کا نیا گھر دیکھنے چلیں ڈیڈی کے ساتھ۔''

مونو نے ٹمی کی اس بات کو بھی پسند نہیں کیا اور بولی: ''نئے گھر میں پولیس والا کیوں لے جاتا اور وہ بھی آدھی رات کو؟''

اب ٹمی کو غصہ آنے لگا۔ اس نے جھنجلا کر کہا: ''اچھا تو تم ہی بتا دو، بڑی عقل مند بنتی ہو۔''

مونو کچھ سوچ میں پڑ گئی اور تھوڑی دیر بعد بولی: ''بھیا میرا تو خیال ہے کہ وہ پولیس والا ہماری دنیا کا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے مریخ سے یا کسی اور دنیا سے آیا ہو اور ہمارے پردادا کو اپنے ساتھ وہاں لے گیا ہو۔ آخر لوگ وہاں جا ہی رہے ہیں۔''

ٹمی ایک دم بھڑک اُٹھا: ''واہ وا! کیا بات کہی ہے۔ دادا کو مریخ پر لے جاتے اور نہ وہ کسی کو بتاتے اور نہ کوئی ان سے پوچھتا۔ واہ وا۔''

ماں دروازے کے پیچھے کھڑی دونوں کی باتیں دل چسپی سے سن رہی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی اور بولی: ''ٹمی اور مونو! بیٹے میری بات غور سے سنو۔ تمھارے پردادا ایک ایسی جگہ چلے گئے ہیں جو مریخ سے بھی زیادہ دور ہے، اتنی دور جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا۔''

ٹمی نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی بڑی بے تابی سے پوچھا: ''تو کیا دادا بھی اب کبھی واپس نہیں آسکیں گے۔''

ماں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا: ''نہیں، کبھی نہیں، تم دونوں اب انھیں بھولنے کی کوشش کرو۔''

دونوں بچوں نے ماں کو حیرت سے دیکھا اور چیخ پڑے: ''دادا کو بھول جائیں۔ اپنے اتنے پیارے دادا کو؟''

اور پھر دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ مونو نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا: ''اچھا تو کیا وہ موت کا فرشتہ تھا، جو دادا کو لے گیا۔''

''نہیں، تمھیں پوری بات سمجھاتی ہوں۔ آؤ اِدھر بیٹھو۔''

پھر ماں نے دونوں بچوں کو سمجھانا شروع کیا کہ ان کے ملک میں بوڑھے لوگوں کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور علاج وغیرہ کی ذمے داری حکومت پر ہے، کیوں کہ ان کا ملک فلاحی ریاست ہے۔ بیسویں صدی میں ایسی غذا، دوا اور علاج کے طریقے دریافت ہوئے کہ انسان کی عمر بڑھنا شروع ہوگئی۔ بیسوی صدی کے آخر تک اوسط عمر بعض ملکوں میں ۸۰ سال سے بھی زیادہ ہوگئی اور بہت سے لوگ سو سو سال سے بھی زیادہ زندہ رہنے لگے۔ مثلاً ۱۹۹۷ء میں جاپان میں تقریباً ساڑھے سات ہزار لوگ ایسے تھے، جن کی عمر سو سال سے زیادہ تھا۔ اس کے بعد بھی سائنس دانوں کا دل نہیں بھرا۔ وہ کیڑوں، کیچوؤں اور چوہوں وغیرہ پر تجربے کرتے رہے اور آخر اکیسویں صدی کے شروع ہونے کے پندرہ بیس سال بعد وہ انسان کی زندگی اور آگے بڑھانے میں کام یاب ہوگئے۔

ماں نے ٹمی اور مونو کو یہ بھی بتایا کہ خود ان کے اپنے ملک میں عمر بڑھانے کا تجربہ اتنا کام یاب رہا کہ لوگ اب ڈیڑھ سو سال، بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر کو پہنچنے کے قابل ہوگئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ سارے لوگ ہی ڈیڑھ سو سال زندہ رہیں، لیکن بہت سے لوگ ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ زندہ رہتے ہیں اور ان کی صحت بھی ٹھیک رہتی ہے۔ یہ

لوگ صحت ٹھیک ہونے کی وجہ سے بوڑھے تو نہیں دکھائی دیتے، لیکن ملک میں آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور اتنی ملازمتیں یا اتنا کام بھی نہیں ہے کہ ان بوڑھے لوگوں کو دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ عمر والے لوگ حکومت کے خزانے پر بوجھ بننے لگے۔ حکومت پریشان ہو گئی کہ سارا خزانہ بوڑھے خالی کر دیں گے۔ پھر دوسرے کاموں کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا۔ مجبوراً حکومت کو ایک نیا قانون بنانا پڑا۔ اس قانون کے تحت اب ملک میں جوں ہی کوئی شخص سو سال کا ہوتا ہے اسے زہر کا انجکشن دے کر مار دیا جاتا ہے۔ بات بچوں کی سمجھ میں آ گئی اور مونو نے سوال کیا: ''تو کیا دادا سو سال سے زیادہ......''

ماں نے مونو کا سوال پورا ہونے سے پہلے ہی جواب دیا: ''ہاں دادا کل پورے سو سال کے ہو گئے تھے۔''

دونوں بچے کچھ دیر رنجیدہ اور خاموش بیٹھے رہے، پھر ٹمی نے ماں سے سوال کیا: ''اچھا ممی! یہ کس طرح ہوا کہ سائنس دانوں نے انسان کی عمر اتنی بڑھا دی؟ یہ بات کچھ عجیب سی نہیں؟''

ماں کچھ سوچتے ہوئے بولی: ''دیکھو بچو! یہ بات تمھاری سمجھ میں آنا مشکل ہے، لیکن میں پھر بھی کوشش کروں گی کہ آسان طریقے سے تمھیں بات سمجھاؤں۔ ہمارا جسم بے شمار خلیوں سے بنا ہوا ہے۔ ان خلیوں کے بیچ کا حصہ نیوکلئس یا مرکزہ کہلاتا ہے۔ مرکزہ میں ماچس کی تیلی کی شکل کے کروموسوم یا ''لوینے'' ہوتے ہیں، جنھیں صرف خردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر کروموسوم کے سرے پر ایک مادہ لگا ہوتا ہے جیسے ماچس کی تیلی کے سرے پر مسالا لگا ہوتا ہے۔ اب سے بہت پہلے یعنی بیسویں صدی کے آخر میں



سائنس دانوں نے پتا چلا لیا تھا کہ انسان کی عمر جتنی بڑھتی ہے کروموسوم کا یہ مسالا اتنا ہی کم ہوتا جاتا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر کوئی ایسی دوا یا علاج دریافت ہو جائے، جو اس مسالے کو کم ہونے یا ضائع ہونے سے بچا لے تو پھر بڑھاپے کو بھی روکا جا سکے گا۔ اکیسویں صدی کے دسویں سال میں سائنس داں ایسا علاج ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس نے کروموسوم کے مادے کو ختم ہونے سے روکا تو نہیں، لیکن اس کے ختم ہونے کی رفتار کم کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب بڑھاپا بھی دیر میں آتا ہے اور عمر پہلے سے بہت زیادہ ہونے لگی ہے۔ سمجھ میں آیا تمھاری؟''

ٹمی اور مونو نے سر تو ہلا دیا، لیکن انھیں اس تفصیل سے زیادہ دل چسپی نہیں تھی۔ دونوں نے ایک ساتھ ماں سے پوچھا: ''تو کیا پر دادا کے بعد اب جب ہمارے دادا سو سال کے ہو جائیں گے تو انھیں بھی سپاہی ساتھ لے جائے گا؟ اور پھر آپ کو بھی اور ڈیڈی کو بھی؟'' بچوں نے خوف زدہ نظروں سے ماں کو دیکھا اور اس سے لپٹ گئے۔

ماں نے دونوں کو پیار کرتے ہوئے کہا: ''نہیں ابھی کوئی نہیں جا رہا۔ سو سال ہونے میں ابھی بہت وقت ہے۔''

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ ٹمی اور مونو اب بڑے ہو گئے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ دونوں کے ذہن میں یہ خیال بھی پکا ہوتا گیا کہ بوڑھے لوگوں سے چھٹکارا پانے کا یہ طریقہ غلط ہے، بلکہ یہ تو ایک طرح کا ظلم ہے۔ انھوں نے کالج میں اپنے ساتھیوں سے اس قانون کے بارے میں بات کی تو پتا چلا کہ ان کے بہت سے ساتھی اس قانون کے خلاف ہیں۔ اس بات سے دونوں بہن بھائیوں کے حوصلے بڑھے اور انھوں نے اس ظلم کو ختم




WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کرانے کے لیے مہم شروع کر دی۔ لوگ ان کے ساتھ ملتے گئے اور مہم آگے بڑھتی گئی۔ اخباروں، ریڈیو اور ٹیلے ویژن نے بھی ان کا ساتھ دیا اور بہت سی سیاسی جماعتوں نے بھی ان کی مدد کی۔

عام طور سے لوگوں کا خیال تھا کہ قدرت نے زندگی اور موت کا جو نظام بنایا ہے، انسان نے اس میں دخل دے کر خود اپنے لیے مشکل پیدا کر لی ہے۔ لہٰذا عمر کو خواہ مخواہ بڑھانے کے طریقے بند کیے جائیں۔ جب عمر قدرتی نظام کے مطابق ہو گی تو لوگوں کو زہر دے کر مارنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور اولاد بھی اس بات پر تیار ہو گی کہ وہ والدین کو حکومت پر بوجھ بنانے کے بجائے خود ان کی ذمے داری سنبھال لے۔ اس طرح حکومت کے خزانے پر بوجھ بھی کم ہو جائے گا یا پھر حکومت اپنی آمدنی بڑھائے، تاکہ وہ ان لوگوں کا بوجھ اُٹھا سکے جن کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، بجائے اس کے کہ انھیں اس ظلم کے ساتھ مار ڈالا جائے۔

یہ مہم جاری رہی، لیکن حکومت نے بات نہ مانی۔

آخر وہ دن آن پہنچا جب ٹمی اور مونو کے دادا کی سوویں سال گرہ تھی۔ بالکل وہی منظر تھا جو پردادا کی سوویں سال گرہ کے موقع پر تھا۔ سب ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے اور دادا کی تعریفیں کر رہے تھے، لیکن سارا ماحول پھیکا پھیکا سا تھا۔ ہنسی کے باوجود سب کے چہروں پر خوف اور رنج نظر آ رہا تھا۔ سب لوگ کسی خطرے کا انتظار کر رہے تھے۔ رات بڑھتی جا رہی تھی۔

گھڑی نے بارہ بجائے۔ سب کی نظریں دروازے پر لگ گئیں اور کان گھنٹی پر۔



کمرے میں سناٹا تھا۔ کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔ دادا بھی بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ وقت گزرنے لگا، لیکن دروازے کی گھنٹی نہیں بجی، نہ کوئی آیا۔ سب ایک دوسرے کو سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے۔ کچھ اور وقت گزرا۔ کوئی نہیں آیا۔ ایک بجا، دو بجے۔ پھر بھی کوئی نہیں آیا۔ بچے سو گئے، لیکن بڑوں کی نظریں اب بھی دروازے پر تھیں اور کان ابھی تک گھنٹی کی آواز پر لگے ہوئے تھے کہ اچانک گھنٹی بجی۔ لوگ تقریباً اُچھل پڑے۔ ایسا لگا جیسے ان کے جسموں میں بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔

کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ بڑھ کر دروازہ کھولے۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ گھنٹی دوبارہ بجی اور ایک شخص خوف زدہ حالت میں دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا اور باوردی سپاہی اندر داخل ہوا۔ وہ بڑھتا ہوا دادا تک پہنچا۔

ٹمی اور مونو اور دوسرے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سپاہی نے کاغذ دادا کے ہاتھ میں پکڑایا اور دادا نے بغیر پڑھے کاغذ میز پر رکھ دیا۔

وہ اپنی تمام اولادوں پر نظریں ڈالتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، جیسے وہ سب کو تسلی دے رہے ہوں۔ سپاہی نے کچھ دیر کمرے کا جائزہ لیا اور لوگوں کو دیکھا۔ پھر مسکراتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرے میں موجود لوگوں کو اس کی یہ مسکراہٹ بڑی ناگوار گزری، جیسے وہ طنزیہ مسکرا رہا ہو۔

دادا اس کے پیچھے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر سپاہی اپنے پیچھے آتے ہوئے دادا کی طرف مڑا۔ پھر ایک بار مسکرایا اور بولا: ''محترم! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھیے اور وہ کاغذ جو میں نے آپ کو

دیا ہے اسے پڑھ لیجیے۔ آپ کو سوویں سال گرہ مبارک ہو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اور مجھے اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ۔''

یہ کہہ کر سپاہی نے پھر مسکرا کر سب لوگوں کی طرف دیکھا۔ کمرے میں ایک شور سا بلند ہوا۔ سب لوگ ایک دوسرے سے حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ کیا قصہ ہے؟

دادا آہستہ آہستہ حیران پریشان اپنی کرسی کی طرف بڑھے اور آنکھیں بند کر کے انھوں نے دو چار لمبے سانس لیے۔ ان کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی اور ہلکا ہلکا پسینا آ گیا تھا۔ سب لوگ دادا کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ چند منٹ بعد دادا کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ کمرا پھر قہقہوں اور شور سے گونجنے لگا۔ اچانک کسی کو خیال آیا اور اس نے جلدی سے میز پر رکھا ہوا کاغذ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

لکھا تھا: ''آج رات گیارہ بج کر دس منٹ پر پارلیمنٹ نے اس قانون کو ختم کر دیا ہے جس کے تحت اس ملک میں کوئی شخص سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ نیا قانون جس نے پچھلے قانون کو ختم کیا ہے فوراً نافذ ہو گیا ہے، لیکن ضروری کارروائی میں تھوڑی سی دیر لگ گئی۔ ہم معافی چاہتے ہیں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ آپ کو سال گرہ مبارک ہو۔''

کمرا پھر شور سے گونجا۔ بچوں نے دادا کو کندھے پر اُٹھا لیا۔ رنج کے آنسو خوشی کے آنسوؤں میں بدل گئے اور پھر دادا کے بیٹے، بیٹیاں اور ان کی اولاد پھر ان کی اولاد نے ایک زبان ہو کر گانا شروع کیا:

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

☆☆☆



# قصہ ایک شام کا

انوار آس محمد

بات بہت پرانی ہے، لیکن اپنے لڑکپن کا یہ واقعہ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ اس دن قبرستان جانے میں مجھے دیر ہو گئی تھی، لیکن میں ہر حال میں اپنی امی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جانا چاہتا تھا۔ یہ میرا معمول تھا کہ میں ہر جمعرات کو اپنی سائیکل پر قبرستان جایا کرتا تھا۔ امی کی قبر پر فاتحہ پڑھتا تھا، ان سے باتیں کرتا اور پھر قبرستان کی مسجد میں ہی مغرب کی نماز پڑھ کر گھر آ جایا کرتا تھا۔

وہ سائیکل مجھے والد صاحب نے نویں جماعت کا امتحان پاس کرنے پر دلائی تھی۔ اپنی سائیکل مجھے بہت عزیز تھی۔ میں تقریباً نو سال کا تھا جب میری والدہ خالقِ حقیقی سے جا ملی تھیں۔ زندگی ماں جیسی ہستی کے بغیر کیسی ہوتی ہے یہ صرف وہ ہی سمجھ سکتا ہے جس کی اپنی ماں نہ ہو۔ والدہ میری تربیت کے لیے مجھے بہت سی اچھی باتیں بتاتی تھیں۔ انھوں نے مجھے بہت چھوٹی عمر سے ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی پختہ عادت ڈلوائی تھی۔ کھانا کھانے سے پہلے، کپڑے پہننے سے پہلے، یعنی ہر کام شروع کرنے سے پہلے وہ مجھے بسم اللہ پڑھنے کی بہت تلقین کرتی تھیں۔

آج کئی سال گزرنے کے بعد بھی میں اپنی امی کو بہت یاد کرتا ہوں۔ میں ان کی کمی جس شدت سے محسوس کرتا ہوں وہ بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ امی کی قبر ہی میرے لیے سب کچھ تھی۔ میں اکثر وہاں بیٹھا امی سے باتیں کرتا تھا۔ قبرستان میرے گھر سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس دن

مجھے قبرستان جانے میں دیر ہو گئی تھی، لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے، میں ضرور جاؤں گا۔ میں سائیکل بہت تیز چلا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد میں قبرستان پہنچ گیا۔ یہ قبرستان کراچی میں شاہ فیصل کالونی کے ایک علاقے عظیم پورہ میں واقع ہے۔ آج تو یہاں پارکنگ بنادی گئی ہے، لیکن جس وقت کی یہ بات ہے شاید ۱۹۹۱ء میں یہاں پارکنگ نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو میں اپنی سائیکل وہاں کھڑی نہ کرتا۔ میں سائیکل ہمیشہ اندر قبروں تک لے جایا کرتا تھا۔ میری امی کی قبر تک تو سائیکل نہیں جا سکتی تھی، اس لیے ذرا فاصلے پر بجلی کا ایک پول جو آج تک ہے، میں اپنی سائیکل اس کھمبے کے ساتھ باندھ دیتا تھا۔ سائیکل مجھے دور سے بھی نظر آتی رہتی تھی۔ اس دن بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلنے لگا تھا، بس مغرب کی اذان ہونے ہی والی تھی۔ میں جلدی سے قبر کے پاس گیا۔ مجھے بڑی مشکل ہو رہی تھی، کیوں کہ قبرستان میں بڑی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی، جو میری کمر تک آتی تھی۔

میں نے اس دن خلافِ معمول مختصر سی فاتحہ پڑھی، ورنہ میری عادت تھی کہ قرآن پاک کی جو سورتیں یاد تھیں، سب کی تلاوت کیا کرتا تھا، لیکن اس دن ایسا نہ کیا اور لمبے لمبے قدموں سے سائیکل کے پاس آنے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ مجھے دور دور تک اِکا دُکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ میں جلد از جلد وہاں سے نکل کر مسجد پہنچنا چاہتا تھا۔ جب تک میں سائیکل کے پاس پہنچا، میرے ہاتھ پاؤں خوف اور گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت سے کانپ رہے تھے۔ میں اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے سائیکل کا تالا کھول ہی رہا تھا کہ چابی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر لمبی گھاس میں گر گئی۔ اب تو میرے اوسان



خطا ہو گئے۔ ایک طرف خوف اور دوسری طرف سائیکل کی محبت تھی۔ میں کسی بھی قیمت پر اپنی سائیکل وہاں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں وہیں بیٹھ کر چابی تلاش کرنے لگا۔ وہ صرف ایک چابی تھی، جس میں کوئی چین بھی نہیں لگی ہوئی تھی۔ مجھے بہت مشکل پیش آ رہی تھی اور میں پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

اسی حالت میں، میں نے جب اپنے اِرد گرد کا جائزہ لیا تو وہاں موجود لمبے درخت مجھے دیو جیسے لگنے لگے۔ لمبے لمبے کالے دیو، جو مجھے پکڑنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ خوف کی لہر میری کمر میں سرایت کر گئی۔ میری آنکھیں تیزی سے چابی کی تلاش میں تھیں کہ اچانک میری نظر اپنی کلائی پر پڑی اور مزید خوف سے میری روح فنا ہو گئی۔ ایک بچھو ڈنک اُٹھائے مجھے ڈسنے کے لیے میری کلائی پر تیار بیٹھا تھا۔ میں ساکت ہو گیا۔ یاد نہیں کہیں پڑھا یا سنا تھا کہ جب تک ساکن رہو اور کوئی حرکت نہ کرو تو سانپ، بچھو وغیرہ نہیں ڈستے۔ پتا نہیں اس بات میں کتنی صداقت ہے۔ اس وقت میں نے اپنے ہاتھ کو کوئی حرکت نہیں دی دوسرا ہاتھ آہستہ سے نزدیک لایا اور بچھو کو بہت پھرتی سے جھٹک دیا۔

اب میں اس جگہ سے ہٹ کر کچے راستے پر کھڑا ہو گیا، کیوں کہ راستے پر گھاس نہیں تھی۔ یہ راستہ قبرستان کے دوسرے دروازے تک جاتا ہے۔

میری حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو خون نہیں۔ بہت خوف ناک صورتِ حال سے دوچار ہو گیا تھا۔ ایک طرف شام کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ اور دوسری طرف وہ زہریلا بچھو بھی اس گھاس میں موجود تھا، جہاں میری سائیکل کھڑی تھی۔ سورج تقریباً ڈوب چکا تھا۔ آسمان لال تھا اور تاریک ہونے ہی والا تھا۔ میں خود کو خوب بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ کبھی اس

بات پر کہ اگر دیر ہوگئی تھی تو اگلے دن قبرستان آ جاتا، لازمی جمعرات کو ہی کیوں آنا تھا۔ کبھی اس بات پر کہ چابی کو احتیاط سے کیوں نہ استعمال کیا، مگر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو اُمڈنے لگے تھے، جنھیں میں بہت ضبط کر رہا تھا اور فیصلہ کر رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں سخت پریشانی کے عالم میں تھا اور دور سے امی کی قبر کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا کہ کچے راستے سے تین عورتوں کو آتے دیکھا۔ تینوں برقعے میں تھیں دو کے چہرے نقاب میں تھے، جب کہ ایک کا چہرہ کھلا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا!'' اس عورت نے پوچھا، جس نے نقاب نہیں لگایا تھا۔

میں نے چابی اور بچھو والی بات بتا دی، وہ مسکرا کر میری بات بہت دھیان سے سن رہی تھیں۔

''تم نے بسم اللہ پڑھ کر چابی تلاش کی تھی؟'' میری بات سن کر عورت نے کہا۔

یہ بات سنتے ہی مجھے ایک زوردار جھٹکا سا لگا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس عورت کو دیکھنے لگا کہ کیا میری امی آ گئی ہیں۔ سارا خوف یکا یک ختم ہوگیا۔ دیو دوبارہ درخت بن گئے، میرا پسینا سوکھنے لگا تھا۔ اس وقت میری کیا کیفیت تھی، میں بتا نہیں سکتا۔

''نن...... نہیں......'' میں نے سر جھکا کر کہا، جس طرح میں اپنی امی سے کہا کرتا تھا۔

''بسم اللہ پڑھ کر چابی ڈھونڈو بیٹا! چابی مل جائے گی۔'' عورت نے کہا اور چل دی۔ میں کچھ دیر ان تینوں کو جاتا دیکھتا رہا۔ پھر گھاس کے قریب گیا۔ اب میں بے خوف تھا، پھر بھی احتیاطاً میں بچھو کے خطرے سے بیٹھا نہیں۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر رکوع کے انداز میں جھک کر جب گھاس ہٹائی تو مجھے اپنی چابی نظر آ گئی۔ اسی وقت مسجد



سے اللہ اکبر کی مسحور کُن صدا بلند ہوئی۔ میرے دل کا سکون مزید بڑھ گیا۔ پھر میں نے غور سے دیکھا کہ بچھو تو نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے سائیکل کا تالا کھولا۔ اپنی سائیکل کا پھر سے جائزہ لیا کہ بچھو سائیکل پر نہ چڑھ گیا ہو، جب اچھی طرح تسلی کر لی تو اس پر سوار ہو کر میں مسجد کی جانب چل دیا۔

آج اس واقعے کو گزرے تقریباً چوبیس سال گزر چکے ہیں، مگر آج بھی یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور ہاں اب میری ہر کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت پختہ ہو چکی ہے، جس کے لیے میں اپنی امی جان کی کوششوں کو سراہتا ہوں۔

☆☆☆

# مارخور - پاکستان کا قومی جانور

نسرین شاہین

مارخور پاکستان کا قومی جانور ہے۔ یہ جنگلی بکرے کی ایک قسم ہے، جو پاکستان میں گلگت، بلتستان، ضلع چترال، وادیٔ کیلاش، وادیٔ ہنزہ سمیت دیگر شمالی علاقوں اور وادیٔ نیلم کے بالائی علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مارخور بھارت، افغانستان، ازبکستان، تاجکستان اور کشمیر کے علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

مارخور، فارسی لفظ ہے۔ فارسی زبان میں ''مار'' کے معنی ''سانپ'' اور ''خور'' سے مراد ''کھانے والا'' یعنی سانپ کھانے والا ہے۔ یہ معصوم صورت جانور سانپ شوق سے کھاتا ہے۔ کھاتا تو بہت بعد میں ہے، پہلے تو سانپ مل جانے پر کافی دیر تک اس سے کھیلتا ہے، پھر پیر مار مار کر اسے زخمی کر دیتا ہے اور اس کے بعد دَم سادھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سانپ بھاگ نکلتا ہے تو اسے پھر جا لیتا ہے اور جب وہ بالکل ادھ مُوا ہو جاتا ہے، تب اُسے چبا جاتا ہے، پھر مارخور آرام کرتا ہے۔

آرام کے دوران ہی مارخور جگالی کرتا ہے۔ اس وقت اس کے منھ سے جھاگ نکلتا ہے، جو نیچے گر کر خشک اور سخت ہو جاتا ہے۔ یہ جھاگ سوکھنے کے بعد سانپ کے کاٹے کا بہترین علاج اور تریاق بن جاتا ہے۔ سپیرے یہ خشک جھاگ ان علاقوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جہاں مارخور پایا جاتا ہے۔ سپیرے اس جھاگ کو جسے وہ ''میلہ'' کہتے ہیں، سانپ کے کاٹے کے علاج میں استعمال کرتے ہیں۔ جس جگہ پر سانپ نے کاٹا ہو، وہاں سوکھے ہوئے جھاگ کو رکھ دیا جائے تو وہ سارا زہر چوس لیتا ہے اور انسان کی جان



بچ جاتی ہے۔

عام حالات میں مارخور گھاس پھونس کھا کر گزارہ کر لیتا ہے۔ موسمِ سرما میں جب زمین برف سے ڈھک جاتی ہے تو درختوں کی سوکھی ہوئی چھالوں سے بھی پیٹ بھر لیتا ہے۔ پانی کے معاملے میں خاصا قناعت پسند واقع ہوا ہے۔ معتدل موسم میں پانی کے ذخیروں تک نہیں جاتا، لیکن برف باری کے دنوں میں برف چاٹ چاٹ کر ہی مطمئن ہو جاتا ہے۔ اسے نمک کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پالتو حالت میں اسے نمک کے ڈلے دیے جاتے ہیں۔ آزاد ہو تو نمکین زمین چاٹتا پھرتا ہے۔ مارخور کے لیے اس کے سینگوں کی خاصی اہمیت ہے۔

مارخور کی عمر کا اندازہ اس کے پیچ دار سینگوں سے کیا جاتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کے سینگوں کے خم بڑھتے جاتے ہیں۔ اس کے سینگوں میں ایک چھلا یا دائرہ ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ نر مارخور کے سینگ ۶۰ سینٹی میٹر اور مادہ مارخور کے سینگ ۲۵ سینٹی میٹر تک لمبے ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خطرے کے وقت مارخور سیکڑوں فیٹ کی بلندیوں سے چھلانگ لگا دیتا ہے۔ اپنے سینگوں کے بَل زمین پر گرتا ہے اور اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ زمین پر لوٹ پوٹ کر یہ کھڑا ہوتا ہے اور محفوظ پناہ گاہ کی طرف بھاگ نکلتا ہے اور دشمن ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ مارخور دن میں چلنے پھرنے اور پہاڑ پر چڑھنے اُترنے والا جانور ہے، جو زیادہ تر صبح سویرے یا سہ پہر کے وقت نظر آتا ہے۔

مارخور پہاڑی جانور ہے۔ یہ ۶۰۰ سے ۳۶۰۰ میٹر تک کی بلندی پر پایا جاتا ہے۔

اس کا قد زمین سے کندھوں تک ۶۵ سے ۱۱۵ سینٹی میٹر تک ہوتا ہے۔ لمبائی ۱۳۲ سے ۱۸۶ سینٹی میٹر اور وزن ۳۲ سے ۱۱۰ کلوگرام تک ہوتا ہے۔ مارخور کا رنگ سیاہی مائل بھورا ہوتا ہے اور ٹانگوں کے نچلے حصے پر سفید و سیاہ بال ہوتے ہیں۔ مادہ مارخور کے سینگ چھوٹے، سیدھے اور پُشت کی طرف ہلکا سا خم لیے ہوتے ہیں۔

مارخور کا شکار کرنے کے لیے بہترین موسم دسمبر سے اپریل تک ہوتا ہے، کیوں کہ ان دنوں یہ پانی کے ذخائر اور کھلی چَراگاہوں کے قریب رہتے ہیں۔ تیتر کے بعد سب سے زیادہ مزے دار گوشت مارخور کا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک موسم کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ موسمِ گرما اور موسمِ بہار میں یہ گھاس پھوس کھاتا ہے اور موسمِ سرما میں درختوں کی چھال اور پتے کھاتا ہے۔ اس کی مادہ کے ہاں کبھی ایک، کبھی دو یا تین بچے پیدا ہوتے ہیں۔

وادیٔ جہلم کے جنگلات میں بھی یہ کبھی کبھار نظر آتا ہے۔ برطانوی حکومت کے دنوں میں مارخور کو مشکل ترین شکار تصور کیا جاتا تھا۔

مارخور کے جسم کی بُو عام گھریلو بکرے کے مقابلے میں بہت تیز ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ اس کی کھال یا سینگ موجود ہو، وہاں سانپ نہیں آتے، کیوں کہ ان سے ایک خاص قسم کی بُو نکلتی ہے جس سے سانپ کو اپنے دشمن مارخور کی موجودگی کا دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ بھاگ جاتا ہے۔ مارخور عجیب سا، لیکن ہمارے ملک کا قومی جانور ہے۔

☆☆☆







# اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں محترمہ سعدیہ راشد، جناب ناصر بشیر اور، نونہال مقررین کے ساتھ جناب جمیل بھٹی اور جناب سید علی بخاری

رپورٹ

سید علی بخاری (لاہور)

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں اس بار موضوع تھا: ''اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں۔'' صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے فرمایا کہ کسی ملک کی شناخت اور پہچان کے سلسلے میں پرچم اہم کردار ادا کرتا ہے، ہر ملک کو ایک مخصوص نام سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح ہر ملک کا منفرد پرچم بھی اس کی شناخت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارے پیارے ملک پاکستان کا ایک خاص نام ہے اور اس کا پرچم بھی خاص اور منفرد ہے۔ پوری قوم اس پرچم کے سائے میں ایک فردِ واحد کی طرح مضبوط کڑی میں جڑی ہوئی ہے۔ ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم ہمیشہ متحد رہیں۔ ہمارا ملک آج مشکل صورتِ حال سے دوچار ہے۔ معاشی اور دوسرے مسائل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، اس وقت اپنی صفوں میں اتحاد اور نظم و ضبط برقرار رکھنے، علم میں ترقی کرنے اور اس پرچم کے سائے تلے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے۔ اجلاس میں معروف سماجی راہنما محترمہ عائشہ اعجاز، محترم جمیل بھٹی اور محترم ناصر بشیر نے بطور مہمانانِ خصوصی شرکت کی۔ نونہال مقررین میں ملائکہ صابر، نویرا بابر، مومن فاطمہ، ریحانہ امیر اور حذیفہ احمد شامل تھے۔ معروف شاعر محترم ناصر بشیر نے کہا کہ شہید حکیم محمد سعید کا مشن تھا کہ ''پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو'' آج مجھ جیسے بہت سے لوگوں نے علم و ادبی دنیا میں جو بھی مقام بنایا، اس میں شہید حکیم محمد سعید کی حوصلہ افزائی شامل ہے۔

☆

# کبوتر کا تحفہ

عبدالرؤف تاجور

معلوم نہیں وہ سچ مچ کبوتر ہی تھا یا کبوتر کے بھیس میں کوئی اور مخلوق تھی۔ وہ کبوتر بہت خوب صورت اور معصوم تھا۔ جو بھی دیکھتا، بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ برف کی طرح سفید رنگ تھا۔ چونچ، آنکھیں اور پنجے یاقوت کی طرح سرخ، دونوں پیروں میں پنجوں تک چھوٹے چھوٹے پَر بھرے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے وہ اور بھی خوب صورت لگتا تھا۔ گھر میں اس کا آنا ایک اہم واقعہ تھا اور اس کا جانا ایک حادثے کی طرح تھا، بلکہ جانا زیادہ پُراسرار تھا، گھر کے لوگ کبوتر کے چلے جانے کے بعد بھی اُلجھن کا شکار رہے۔

ایک اتوار کی صبح کا ذکر ہے۔ حمزہ اپنا بلّا تلاش کرتا ہوا بالکونی میں آیا تو یہاں کا منظر





WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک سفید کبوتر اپنے خون میں لت پت بیٹھا اونگھ رہا تھا اور اس سے تھوڑے فاصلے پر لوہے کی گرل پر اپنے دونوں پنجے جمائے ایک چیل، کبوتر کو خونی نگاہوں سے گھور رہی تھی، لیکن اندر آنے سے قاصر تھی، کیوں کہ گرل کی جالی ایسی تھی کہ بڑا پرندہ مثلاً کوا، کبوتر، چیل یا باز اندر نہیں آ سکتا تھا، لیکن یہ زخمی کبوتر کسی نہ کسی طرح اندر آ گیا تھا۔ آہٹ پا کر کبوتر نے لمحے بھر کے لیے حمزہ کو دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔ حمزہ کو صورتِ حال بھانپنے میں چند سیکنڈ لگے۔ وہ اُلٹے پاؤں بھاگا۔ اپنے کمرے میں جا کر میز کی دراز سے غلیل نکالی، مٹھی بھر شیشے کی گولیاں جیب میں ڈالیں اور چھپ کر ایک غلہ اس چیل کو مار دیا۔ جو اگر نشانے پر لگ جاتا تو چیل اس مار کو ہمیشہ یاد رکھتی، لیکن حمزہ کا نشانہ خطا ہو گیا۔ غلہ گرل سے ٹکرا گیا، ایک زبردست آواز پیدا ہوئی اور وہ خونی پرندہ چیخ دار آوازیں نکالتا ہوا اُڑ گیا۔ حمزہ نے جلدی سے دوسرا غُلّہ چلا دیا، لیکن یہ بھی خطا ہو گیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر اس نے ساری بات اپنی دادی جان کو بتا دی اور اپنا بلا لے کر بھاگتا ہوا اپنے اسکول کی طرف چل پڑا، کیوں کہ میچ شروع ہونے میں صرف بیس منٹ رہ گئے تھے۔

اس دن میچ میں حمزہ کا دل بالکل نہیں لگا۔ اس کے باوجود وہ دو وکٹیں اور ساٹھ رن لے کر مین آف دی میچ قرار پایا۔ کھیل کے دوران اس کا دھیان کبوتر کی طرف لگا رہا۔ پتا نہیں بے چارہ زندہ بھی ہے یا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ گھر واپس پہنچا تو دادی جان نے اسے فوراً خوش خبری سنا دی کہ زخمی کبوتر نہ صرف زندہ ہے، بلکہ خطرے کی زد سے نکل آیا ہے۔ حمزہ نے بلا ایک طرف پھینکا اور بالکونی کی طرف بھاگا۔ کبوتر گتے کے ڈبے میں پرانے کپڑوں کے ڈھیر پر سو رہا تھا۔ آہٹ پا کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور معصومانہ



نگاہوں سے حمزہ کو دیکھنے لگا، جیسے کہہ رہا ہو: ''بہت بہت شکریہ میرے دوست! آپ نے میری جان بچائی، میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

دادی جان کے ٹوٹکوں اور دیکھ بھال کی وجہ سے وہ ہفتہ دس دن کے اندر پوری طرح صحت یاب ہو گیا۔ اب وہ گھر کا ایک فرد بن چکا تھا اور اپنی پیاری حرکتوں سے سب کا دل بہلاتا رہتا تھا۔ گھر کے تین چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے دوڑتے اور وہ انھیں جھکائیاں دے کر پورے گھر میں دوڑتا رہتا۔ کبوتر کی ایک عجیب خوبی جس پر سب لوگ حیران تھے، وہ یہ تھی کہ صبح کے وقت جب دادی جان نماز سے فارغ ہو کر تلاوت شروع کرتیں تو وہ اُڑتا ہوا آتا اور آ کر ان کے شانے پر ساکت بیٹھ جاتا اور جب تک تلاوت جاری رہتی، اسی طرح ادب سے بیٹھا رہتا۔

یہ سب کچھ تھا، لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس نے کبھی گھر سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس خونی چیل کا خوف ابھی تک اس کے ذہن میں بیٹھا ہوا تھا۔

اور پھر ایک دن یہ کبوتر جس طرح خاموشی سے ہمارے گھر آیا تھا، اسی طرح چپ چاپ ہمیشہ کے لیے ہمیں اُداس چھوڑ کر چلا گیا۔

وہ بھی اتوار ہی کا دن تھا اور صبح کے سات بج رہے تھے۔ گھر کے سب لوگ بے خبر سو رہے تھے۔ صرف حمزہ اُٹھ گیا تھا اور دادی جان اپنے کمرے میں تخت پر بیٹھی تلاوت کر رہی تھیں۔ حمزہ بلّا لے کر باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو سفید کپڑے پہنے ایک لمبا تڑنگا شخص کھڑا نظر آیا۔ اتنے لمبے قد کا آدمی حمزہ نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، اس لیے قدرے حیران سا ہو گیا۔

''جی فرمایئے؟'' حمزہ نے بوکھلاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ ہی حمزہ ہیں؟'' اس آدمی نے مسکرا کر نرم لہجے میں پوچھا: ''میرا مطلب ہے حمزہ خاور مسعود۔''

''جی ہاں، میرا نام ہی حمزہ ہے، لیکن آپ کون؟''

''مجھے چھوڑیے۔ صرف یہ بتایئے کہ کیا آپ میری امانت مجھے واپس کرنا پسند کریں گے۔''

حمزہ اُلجھن میں پڑ گیا: ''امانت کیسی امانت؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''ایک سفید رنگ کا کبوتر جو تقریباً دو مہینے سے آپ کے گھر میں پرورش پا رہا ہے اور جسے آپ نے ایک خونی چیل کے پنجے سے چھڑا کر ایک نئی زندگی بخشی ہے۔''

حمزہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کبوتر سے جدائی کے بارے میں تو اس نے کبھی









WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سوچا بھی نہیں تھا۔

''اچھا تو وہ آپ کا کبوتر ہے۔ جسے آپ لینے آئے ہیں، لیکن وہ تو ہمارے گھر کا ایک فرد بن چکا ہے اور ہم اس سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ اس سے کتنا پیار کرتے ہیں، لیکن کچھ مجبوریاں ہیں کہ میں اسے آپ کے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔ حمزہ میاں! میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کبوتر ہمارے لیے کتنا قیمتی ہے۔ آپ نے اس کی جان بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے، میں اسے تا حیات نہیں بھولوں گا۔ کاش میں اس قابل ہوتا کہ آپ کے اس عظیم احسان کا بدلہ چکا سکتا۔''

عین اسی لمحے تلاوت سے فارغ ہو کر دادی جان بھی دروازے پر آ گئیں۔ انھیں دیکھ کر اس آدمی نے بڑے ادب سے سلام کیا: ''اماں جی! میں اپنی امانت واپس لینے آیا ہوں، یعنی وہ سفید کبوتر جو دو مہینے سے آپ کے گھر میں رہ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے، آپ اپنی امانت واپس لے سکتے ہیں، لیکن اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ آپ ہی کا کبوتر ہے۔'' دادی جان نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ کبوتر سے جدائی کا تصور ان کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔

''اسے میرے سامنے لائیے۔ آپ کو ثبوت مل جائے گا۔'' اس آدمی نے کہا۔

لیکن کبوتر کو پکڑ کر سامنے لانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ دادی جان کے کمرے سے اُڑتا ہوا آیا اور آ کر ان کے شانے پر بیٹھ گیا اور پھر لمبے آدمی پر نظر پڑتے ہی اُچھل کر اس کے کاندھے پر جا بیٹھا اور جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ حمزہ کو ایسا لگا جیسے وہ کبوتر نہ ہو، ایک چھوٹا سا بچہ ہو جو بچھڑے ہوئے باپ کو پا کر خوشی سے نہال ہو گیا ہو۔



اس کی آنکھوں سے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔

''آپ کی امانت آپ کو مبارک۔'' دادی جان نے گلوگیر آواز میں کہا اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ اس آدمی نے کبوتر کو پکڑ کر اپنی قمیص کی بائیں جیب میں رکھ لیا اور حمزہ سے ہاتھ ملا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا، جلد ہی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حمزہ گیٹ سے باہر نکل کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر اپنا بلاّ لینے گھر کے اندر آیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ سامنے ہی دیوار کے سہارے نیلے رنگ کی ایک بالکل نئی چمچماتی ہوئی ایسی سائیکل کھڑی تھی، جس کی تمنا برسوں سے اس کے دل میں تھی۔ کبوتر جاتے جاتے حمزہ کو اس کی پسند کا تحفہ دے گیا تھا۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۴۵

# معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت زبیر، حضورِ اکرمؐ کے حقیقی .......... تھے۔ (چچا ۔ ماموں ۔ خالو)

۲۔ ''جنگِ یرموک'' .......... ہجری میں ہوئی تھی۔ (سنہ۱۱ ۔ سنہ۱۲ ۔ سنہ۱۳)

۳۔ ''اوستا'' .......... کی مقدس کتاب کا نام ہے۔ (ہندوؤں ۔ پارسیوں ۔ سکھوں)

۴۔ پاک چین شاہراہِ ریشم کا افتتاح ۱۸ جون .......... کو ہوا تھا۔ (۱۹۶۸ء ۔ ۱۹۷۲ء ۔ ۱۹۷۸ء)

۵۔ قیامِ پاکستان کے بعد آل پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر .......... تھے۔ (چوہدری خلیق الزماں ۔ خواجہ ناظم الدین ۔ پیر الٰہی بخش)

۶۔ ڈاکٹر عشرت العباد ۲۷ دسمبر ۲۰۰۲ء سے اب تک سندھ کے .......... ہیں۔ (وزیرِ اعلا ۔ گورنر ۔ وزیرِ داخلہ)

۷۔ پاکستان ٹیلے وژن کی مشہور ڈراما سیریل ''وارث'' .......... نے تحریر کیا تھا۔ (شوکت صدیقی ۔ امجد اسلام امجد ۔ اشفاق احمد)

۸۔ ہندستان کی ریاست حیدر آباد دکن کے آخری حکمراں .......... تھے۔ (میر اکبر علی خاں ۔ میر محبوب علی خاں ۔ میر عثمان علی خاں)

۹۔ نمک، گندھک اور شورے کا تیزاب مسلمان سائنس داں .......... کی دریافت ہے۔ (ابونصر فارابی ۔ ابنِ نفیس ۔ جابر بن حیان)

۱۰۔ ''رباط'' .......... کا دارالحکومت ہے۔ (انڈونیشیا ۔ سوڈان ۔ مراکش)

۱۱۔ قدیم زمانے میں .......... کا نام ''گال'' (GAUL) تھا۔ (پرتگال ۔ سینی گال ۔ فرانس)

۱۲۔ ''EMERALD'' انگریزی زبان میں ایک قیمتی پتھر .......... کو کہتے ہیں۔ (لعل ۔ زمرد ۔ یاقوت)

۱۳۔ مکڑی کی .......... ٹانگیں ہوتی ہیں۔ (چھے ۔ آٹھ ۔ دس)

۱۴۔ ''مرزا واجد حسین'' مشہور شاعر .......... کا اصل نام ہے۔ (ساحر لدھیانوی ۔ دبیر ۔ یاس یگانہ چنگیزی)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ''خربوزے کو دیکھ کر .......... رنگ پکڑتا ہے۔'' (پپیتا ۔ خربوزہ ۔ شریفہ)

۱۶۔ فانی بدایونی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

اک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے .......... ہے، دیوانے کا (خواب ۔ خیال ۔ گمان)

## کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۴۵ (مئی ۲۰۱۶ء)

نام: ..........

پتا: ..........

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۶ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

## کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (مئی ۲۰۱۶ء)

عنوان: ..........

نام: ..........

پتا: ..........

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ مئی ۲۰۱۶ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

# نونہال ادیب

## لکھنے والے نونہال

سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان — جویریہ ظفر، کراچی
عمارہ حسن، اسلام آباد — عفان احمد خاں، کراچی
سلمان یوسف سمیجہ، علی پور — معاذ احمد خان، کراچی
محمد اجمل شاہین انصاری، چوہنگ سٹی — یسرٰی احمد، کراچی
عمار احمد خاں، کراچی

## ملاقات کے آداب

**سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان**

جب بھی کسی سے ملیں ملاقات کے وقت مسکراتے چہرے سے استقبال کیجیے، مسرت و محبت کا اظہار کیجیے اور سلام میں پہل کیجیے اس کا بڑا ثواب ہے۔ سلام کے لیے پورا لفظ ''السلام وعلیکم'' کہیں۔ اس کا مطلب ہے ''تم پر سلامتی ہو'' جب کسی سے ملاقات کا ارادہ ہو تو پہلے اس سے وقت مقرر کر لیجیے، یوں ہی وقت بے وقت کسی کے ہاں جانا مناسب نہیں ہے۔

جب بھی کوئی آپ کے یہاں ملنے آئے تو محبت آمیز مسکراہٹ سے استقبال کیجیے۔ صرف کام کی باتیں کیجیے، بے کار اور فضول باتیں کر کے اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع نہ کریں۔ خود کسی کے گھر جائیں تو دروازے پر دستک دیں اور دروازہ کھولنے پر ''السلام علیکم'' کہہ کر اندر داخل ہوں۔ کسی کے گھر جاتے وقت کبھی کبھی کوئی مناسب تحفہ یا کوئی پھل وغیرہ بھی ساتھ لے کر جائیں، کیوں کہ تحفہ دینے اور قبول کرنے سے ایک دوسرے کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی ضرورت مند آپ کے گھر آئے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی ضرورت پوری اور مدد کرنے کی کوشش

کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور کسی کی مدد کرنے سے خود کو بھی خوشی ہوتی ہے۔ حضور اکرم ؐ بھی دوستوں کی مدد کر کے خوش ہوتے تھے۔

آپس میں ایک دوسرے سے میل جول بڑھانا اور ایک دوسرے کے کام آنا بہت بڑی عبادت ہے۔ پیٹھ پیچھے کسی کی بُرائی کرنا یا کسی کی غیبت کرنا بہت بُری بات ہے۔ ان باتوں کو ہمارے نبی کریمؐ نے ناپسند فرمایا ہے۔ رات کے وقت کسی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس سے دوسروں کے آرام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں دوسروں کے آرام کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اگر آپ کسی بیمار کی عیادت کے لیے جائیں تو اس کے لیے تازہ پھولوں کا گلدستہ لے کر جائیں۔ مریض سے ہلکی اور دھیمی آواز میں بات چیت کریں اور شور کرنے سے مکمل طور پر پرہیز کیجیے۔ اسے تسلی دیں اور حوصلہ بڑھائیں۔

ملاقات کے بعد واپس ہونے لگیں تو اس سے ہاتھ ملا کر اور ''اللہ حافظ'' کہہ کر واپس جائیں اور جب کبھی دوبارہ ملنے کا ارادہ ہو تو ''ان شاء اللہ'' ضرور کہیں۔

## انکل اشتیاق احمد کی یاد میں

**عمارہ حسن، اسلام آباد**

بچپن میں کی جانے والی کچھ حماقتیں اتنی دل چسپ اور مزے دار ہوتی ہیں کہ ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ ایک ایسا ہی دل چسپ واقعہ ننھے ساتھیوں کو بھی سناتی ہوں۔

گرمیوں کے دن تھے۔ اسکول میں موسمِ گرما کی چھٹیاں تھیں۔ چھٹیوں میں ہم اسکول کا کام کیا کرتے تھے یا اپنی الماری کی صفائی یا پھر مزے مزے کی کہانیاں پڑھنا ہمارا معمول تھا۔ انکل اشتیاق احمد کے ناول ضرور پڑھا کرتے تھے۔ ان کے ناولوں کے کرداروں محمود، فاروق، فرزانہ



ہمیں بھی پسند تھے۔ ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ اشتیاق انکل کو خط لکھا جائے۔ بس پھر کیا تھا ہم نے کاغذ قلم سنبھالا اور خط لکھنے بیٹھ گئے۔ معصوم سا ذہن تھا، یہ کردار حقیقی معلوم ہوا کرتے تھے۔ ہم نے بھی ایسے ایسے سوالات کیے کہ اب سوچیں تو شرمندگی بھی ہوتی ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔

یہاں پر مزے کی بات یہ ہے کہ جب خط پوسٹ کرنے کا مرحلہ آیا تو ہمیں اشتیاق انکل کا پتا تو معلوم نہیں تھا ہم نے کافی سوچ بچار کی کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے، آخر ایک خیال ذہن میں آیا ہمدرد نونہال کے ہم پرانے قارئین میں سے ہیں ہمدرد نونہال ہی میں ہم نے پڑھا تھا کہ انکل مسعود احمد برکاتی اپنی اور اشتیاق انکل کی ملاقات کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ بس پھر کیا تھا اشتیاق انکل کو لکھا گیا خط ہم نے فوراً ہمدرد نونہال کے پتے پر بھیج دیا۔ ہم پہلے بھی ہمدرد نونہال کے مختلف سلسلوں میں حصہ لیتے رہتے تھے، اس لیے کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ خط ارسال کر کے ہم بھول بھی گئے۔ ایک دن اشتیاق انکل کا ایک ناول خریدا، ناول ختم کر کے آخر کے صفحوں پر نظر پڑی تو ہم حیران رہ گئے، ناول کے آخر میں ہمارا حماقتوں سے بھرپور (کاٹ چھانٹ کے ساتھ) خط چھپا ہوا تھا۔ ہماری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ تھی۔

وہ خط جو انکل اشتیاق احمد کے لیے تھا، وہ مسعود احمد برکاتی انکل کو بھیجا گیا، تا کہ وہ اشتیاق انکل تک پہنچا دیں۔ وہ ردی کی ٹوکری کی نذر بھی ہو سکتا تھا، مگر بالکل ایک امانت کی طرح ایک معمولی سا خط جو انکل اشتیاق احمد تک پہنچایا گیا، یہ بات بھلائے نہیں بھول سکتی۔ اللہ تعالیٰ انکل اشتیاق احمد کی مغفرت فرمائے کہ ان کی کہانیوں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور

ہمدرد نونہال کے ساتھ جو بچپن سے ہمارا تعلق ہے خدا اس کو ہمیشہ قائم رکھے۔ (آمین)

## جمیل الدین عالی

### سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

اردو کے مشہور ادیب جمیل الدین عالی ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ جمیل صاحب کا اصل نام مرزا جمیل الدین احمد خاں تھا۔ جمیل الدین عالی نے اینگلو عربک کالج دہلی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۵ء میں انھوں نے معاشیات، فارسی، اور تاریخ زبان وادب میں مضامین تحریر کیے۔ اسی دوران انھوں نے بی اے کیا۔ ملازمت کا آغاز ۱۹۴۸ء میں وزارتِ تجارت میں اسسٹنٹ کے عہدے سے کیا۔ ۱۹۵۱ء میں انھوں نے مقابلے کا امتحان پاس کیا اور پاکستان ٹیکسیشن سروس سے منسلک ہوگئے۔ جمیل الدین عالی نے بہت سے مختلف اداروں میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ آپ نے سیاست میں بھی حصہ لیا۔ وہ مشہور قومی نغمے ''جیوے جیوے پاکستان'' کے خالق تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور قومی نغمے مثلاً:

''سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے''

''اے وطن کے سجیلے جوانو''

''ہم تا بہ ابد سعی و تغیر کے ولی ہیں''

''جگ جگ جیے میرا پیارا وطن''

جیسے عالی شان قومی نغمات بھی تخلیق کیے۔

عالی صاحب کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے دنیا مرے آگے، کارگاہِ وطن، اک گوشۂ بساط، حرفے چند، غزلیں، دوہے، گیت، تماشا مرے آگے، صدا کر چلے اور دعا کر چلے شامل ہیں۔

جمیل الدین عالی صاحب کو بہت سے اعزازات مثلاً ہلالِ امتیاز، کمالِ فن ایوارڈ، تمغۂ برائے حسنِ کارکردگی اور آدم جی جیسے عظیم اعزازات سے نوازا گیا۔ وہ



شاعر کے علاوہ نقاد، دانشور، کالم نگار بھی تھے۔ ۲۳ نومبر ۲۰۱۵ء کو نوے (۹۰) سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ عالی صاحب کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے، جن کا نام ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ وہ ایسے انسان تھے جو مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔

## سورج

### محمد اجمل شاہین انصاری، چوہنگ سٹی

بچو! میں ہوں ایک سوال
ملتی نہیں جس کی مثال
سفر میرا ہے، مشرق و مغرب
چل رہا ہوں سالہا سال
روشن چاروں سمتیں ہیں
مشرق، مغرب، جنوب، شمال
میرا نہیں ہے اس میں حصہ
سب ہے اللہ کا کمال
پیڑ اور پودے کشت و بہار
میرے دم سے ہیں خوشحال
مجھ کو سورج کہتے ہیں
ہوں نا بچو! بے مثال

## نیکی رائیگاں نہیں جاتی

### جویریہ ظفر، کراچی

میرا پریشانی کے مارے بُرا حال تھا۔ میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ بار بار مجھے خوفناک خیالات آ رہے تھے۔ دراصل تین روز بعد میرے بیٹے کے دل کا آپریشن تھا۔ یہ آپریشن شہر کے مشہور ترین اسپتال میں ہو رہا تھا۔ میرے پاس پیسے تھے، میں آج وہی جمع کرانے جا رہا تھا کہ راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اب میں بالکل قلاش ہو چکا تھا۔ وہ پیسے بھی میں نے کسی سے اُدھار لیے تھے، اب میں دُہری پریشانی میں مبتلا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا میں اسی پریشانی میں گھر پہنچ گیا۔

میرے بڑے بیٹے نے آ کر مجھے اطلاع دی تھی کہ کوئی اجنبی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے کمرے میں بٹھانے کو کہا۔ میں کمرے میں آیا تو وہ گم سم بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا: ''ارے سر! آپ نے پہچانا مجھے۔'' وہ لپک کر میرے گلے لگ گیا۔

''جی نہیں آپ کون؟''

''سر! میں بلال ہوں۔ وہی بلال جس کا آٹھویں سے انٹر تک کا تعلیمی خرچا آپ نے اُٹھایا تھا۔''

''اوہ اچھا، تو تم ہو، اب میں نے پہچانا۔ کیا کر رہے ہو آج کل؟'' میں نے پوچھا۔

''بس سر! آپ کی دعاؤں سے میں سافٹ ویئر انجینیئر ہوں اور آپ کی امانت لوٹانے آیا ہوں۔''

''کون سی امانت۔''

''سر! آپ بہت عظیم انسان ہیں۔ میں نے اپنا فرض جانا کہ آپ کا قرض ادا......''

''بلال! وہ قرض نہیں تھا۔'' میں نے بات کاٹی۔

''مگر سر! میں پھر بھی وہ واپس کرنا چاہتا ہوں، یہ لیں دو لاکھ روپے، ان میں احسان اور پیار کے پیسے شامل نہیں جو آپ نے مجھے دیا تھا، اچھا میں چلا۔'' وہ لفافہ میز پر رکھ کر چلا گیا۔

میں حیرت سے لفافے کو دیکھتا رہا۔

مجھے لگا وہ لفافہ کہہ رہا ہے کہ ''نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔''

## اللہ کی مصلحت

عفان احمد خاں، کراچی

''بیٹا! میں بہت غریب ہوں، میں تمھیں اتنی بھاری فیس نہیں دے سکتی۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''اماں! آپ فکر نہ کریں، آپ کے بیٹے کا مکمل علاج میں مفت کروں گا۔'' ڈاکٹر منہال نے ان کو تسلی دی۔



''بیٹا! تم خوش رہو۔'' اماں نے دعائیں دیں۔

''بابا! آپ اتنی دیر سے کیوں آئے۔'' نعمان نے ناراضگی سے کہا۔

''بیٹا! وہ ایک مریض آ گیا تھا، اس کا علاج ضروری تھا، اس لیے مجھے دیر ہو گئی۔'' منہال نے پیار سے کہا۔

''بابا! اب ہم ہوٹل کیسے جائیں گے؟''

''سوری بیٹا! ارے تم ناراض نہ ہو، میں گھر پر ہی منگوا لیتا ہوں۔'' منہال نے کہا اور گاڑی لے کر ہوٹل کی طرف چل دیا۔

''چلو بھئی، نعمان! آ جاؤ۔'' منہال نے آواز دی۔

''ابو، ابو! وہ......'' نعمان بھاگتے ہوئے آیا۔

''کیا ہوا بیٹا!''

''ابو! وہ ...... وہ ہم کھانے کے لیے جہاں جانے والے تھے، ابھی ٹی وی پر بتایا ہے کہ اُسی ہوٹل میں دھماکا ہوا ہے۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا......!'' منہال نے کہا اور دوڑتے ہوئے ٹی وی کے پاس گیا۔ چینل پر بار بار وہ حصہ دکھایا جا رہا تھا۔

''ارے یہ تو وہی حصہ ہے، جہاں ہماری ٹیبل بک تھی۔'' منہال نے کہا۔

''ابو! اچھا ہی ہوا ہم نہیں گئے۔'' نعمان نے معصومیت سے کہا۔

''ہاں بیٹا! اللہ کے ہر کام میں کچھ مصلحت ہوتی ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس حادثے میں جانی نقصان بھی ہوا ہے۔

## ایمان داری کا صلہ

معاذ احمد خان، کراچی

میں نے میٹرک تک ہی تعلیم حاصل کی تھی کہ ابا کی نوکری چھوٹ گئی، مجبوراً مجھے پڑھائی چھوڑ کر نوکری تلاش کرنا پڑی، مگر کہیں بھی نوکری نہ ملی، میں ایک مہینا فارغ

رہا، پھر ابا نے بڑی کوشش کے بعد سیٹھ اشعر کے یہاں ڈرائیور لگوا دیا۔ میں صبح آٹھ بجے ان کو فیکٹری لے جاتا اور شام چھے بجے واپس لے آتا۔ فارغ وقت میں، میں نے فرسٹ ایئر کا کورس پڑھنا شروع کر دیا۔ ابا نے بھی دکان کھول لی تھی اور گزارہ ہونے لگا تھا۔

اسی طرح دس گیارہ مہینے گزر گئے، انٹر کے امتحانی فارم جانے لگے، میں شش و پنج میں مبتلا تھا، میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ فارم جمع کرا سکتا، میں نے اللہ پر معاملہ چھوڑ دیا۔

اگلے دن جب میں اشعر صاحب کو چھوڑ کر گاڑی کوٹھی میں کھڑی کر کے واپس جانے لگا تو لان میں ایک چمکدار چیز دکھائی دی۔ میں نے جھک کر اُٹھایا۔ وہ قیمتی موتیوں کا ہار تھا، ان کی جگمگاہٹ سے میری آنکھیں چندھیا گئیں، میں نے ہار جیب میں ڈال لیا اور گھر آ گیا۔

میرا خوشی کے مارے بُرا حال تھا، مگر میرا ضمیر مجھے ملامت بھی کر رہا تھا۔ اگر میں ان میں سے ایک موتی بھی بیچ دوں تو میری داخلہ فیس سمیت تمام خرچ با آسانی پورا ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا، مگر اگلے ہی لمحے میرے ضمیر نے مجھے بیدار کر دیا: ''معاذ! یہ حرام ہے، یہ تمھارا نہیں، کسی کی امانت ہے۔'' امانت کا لفظ سنتے ہی مجھے ابا کی نصیحتیں یاد آ گئیں کہ بیٹا! زندگی میں کبھی خیانت نہیں کرنا۔

میں نے ایک فیصلہ کیا اور ہار کو حفاظت سے رکھ دیا۔

اگلے دن میں سیٹھ اشعر کے یہاں پہنچ گیا۔ اتوار کا دن تھا وہ لان میں بیٹھے تھے۔ جب میں نے ان کے سامنے ہار رکھا تو وہ اُچھل پڑے: ''معاذ! تمھیں پتا ہے اس ہار کی قیمت پندرہ لاکھ روپے ہے۔''



''سر! مجھے معلوم ہے، مگر یہ میرے لیے حرام ہے۔'' میں نے سادہ سا جواب دیا۔

وہ میری ایمان داری سے بہت خوش ہوئے۔ جب ان کو پتا چلا کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں تو وہ کہنے لگے: ''تم گھر بیٹھو میں تمھاری پڑھائی کے تمام اخراجات برداشت کروں گا اور تمھیں دس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دوں گا۔''

میں نے خوشی سے ان کے ہاتھ چوم لیے۔ مجھے میری ایمان داری کا صلہ مل چکا تھا۔

## صورت اور سیرت

یسریٰ احمد، کراچی

بشریٰ اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ جب اس کی والدہ نے دیکھا تو پوچھا: ''ارے بشریٰ! کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟''

''امی! اسکول میں سب لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے کالا کیوں بنایا ہے؟'' بشریٰ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! تمھیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ ویسے بھی رنگ سے کچھ نہیں ہوتا، اصل چیز انسان کا کردار اور اخلاق ہوتا ہے۔ جو تمھارا مذاق اُڑائے، تم اس سے اچھے طریقے سے ملو، اگر بدلہ لینا ہی ہے تو ان کو پڑھائی میں پیچھے کرو، تمھارے میٹرک کے امتحان ہونے والے ہیں، تم اس میں محنت کرو اور کسی کے مذاق کی پروا مت کرو۔'' امی نے اسے سمجھایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

اس کے بعد وہ شدید محنت کرنے لگی۔

کلاس میں فردوس، کوثر، جویریہ اس کا مذاق اُڑاتیں، مگر وہ جواب میں کچھ نہ کہتی۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ بھی چپ ہو گئے۔

دوسری طرف بشریٰ بہت محنت کر رہی تھی، پھر امتحان سر پر آ گئے، تب اس کی سہیلیوں کو پڑھنے کا خیال آیا، مگر پانی سر سے گزر گیا تھا، جب امتحان کا نتیجہ آیا تو

بشریٰ نے اے ون گریڈ لیا اور سہیلیاں بمشکل پاس ہوئیں۔ جب بشریٰ شیلڈ اور توصیفی اسناد وصول کر رہی تھی تو ان سب کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔

## احساس

عمار احمد خاں، کراچی

راحیل ایک بے پروا لڑکا تھا، وہ بڑی مشکل سے میٹرک پاس کر سکا تھا، اس کے بعد وہ پڑھائی چھوڑ کر گھر بیٹھ گیا۔ اس کے ابا نے اسے لاکھ سمجھایا، مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ دوپہر کے بعد اُٹھتا پھر باہر نکل جاتا۔ غلط صحبت میں بیٹھتا اور لوگوں کو تنگ کرتا۔

ان کے والد باجوہ صاحب بیٹے کی ان حرکتوں سے بہت تنگ آ گئے تھے۔ ہر روز محلے سے اس کی شکایتیں آتیں۔ آخر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ راحیل کو سیدھی راہ پر لانے کے لیے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے، وہ کریں گے۔ اگلے دن وہ راحیل کو اپنے ساتھ اپنے ایک دوست کے گھر لے گئے جو جنگل میں رہتا تھا۔ انھوں نے راحیل کو وہیں چھوڑ دیا۔ راحیل بہت رویا، مگر باجوہ صاحب واپس آ گئے۔ ان کے دل میں رحم پیدا ہوا، مگر پھر راحیل کی تربیت کے خیال سے وہ واپس آ گئے۔

باجوہ صاحب کے دوست نے راحیل سے بے انتہا محنت کا کام کرانا شروع کیا۔ وہ صبح سویرے اُٹھتا اور رات گئے تک کام کرتا رہتا۔ راحیل کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ چاروں طرف جنگل تھا۔ آخر دو مہینے بعد باجوہ صاحب آئے، راحیل نے ان کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور سُدھرنے کا وعدہ کیا۔ ان کو رحم آ گیا اور وہ اسے گھر واپس لے گئے۔

اس کے بعد راحیل کو احساس ہو گیا کہ وہ غلطی پر تھا۔ پھر اس نے سخت محنت کر کے انٹر کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا اور بعد میں ایک مشہور جامعہ سے انجینئر بن کر نکلا۔ ☆



## آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

★

پچھلے شمارے میں مصوری کے لیے جو طریقہ بتایا گیا تھا اس بار کی تصویر اسی کا تسلسل ہے۔ طریقہ وہی ہے۔ اس سے پہلے آپ نے بطخ بنانا سیکھی تھی۔ اسی طرح شیر بھی بنایا جا سکتا ہے، بلکہ اور بہت سی شکلیں بھی بنائی جا سکتی ہیں۔ مشق جاری رکھیے۔ یہ ایک اچھا مشغلہ ہے۔

☆☆☆
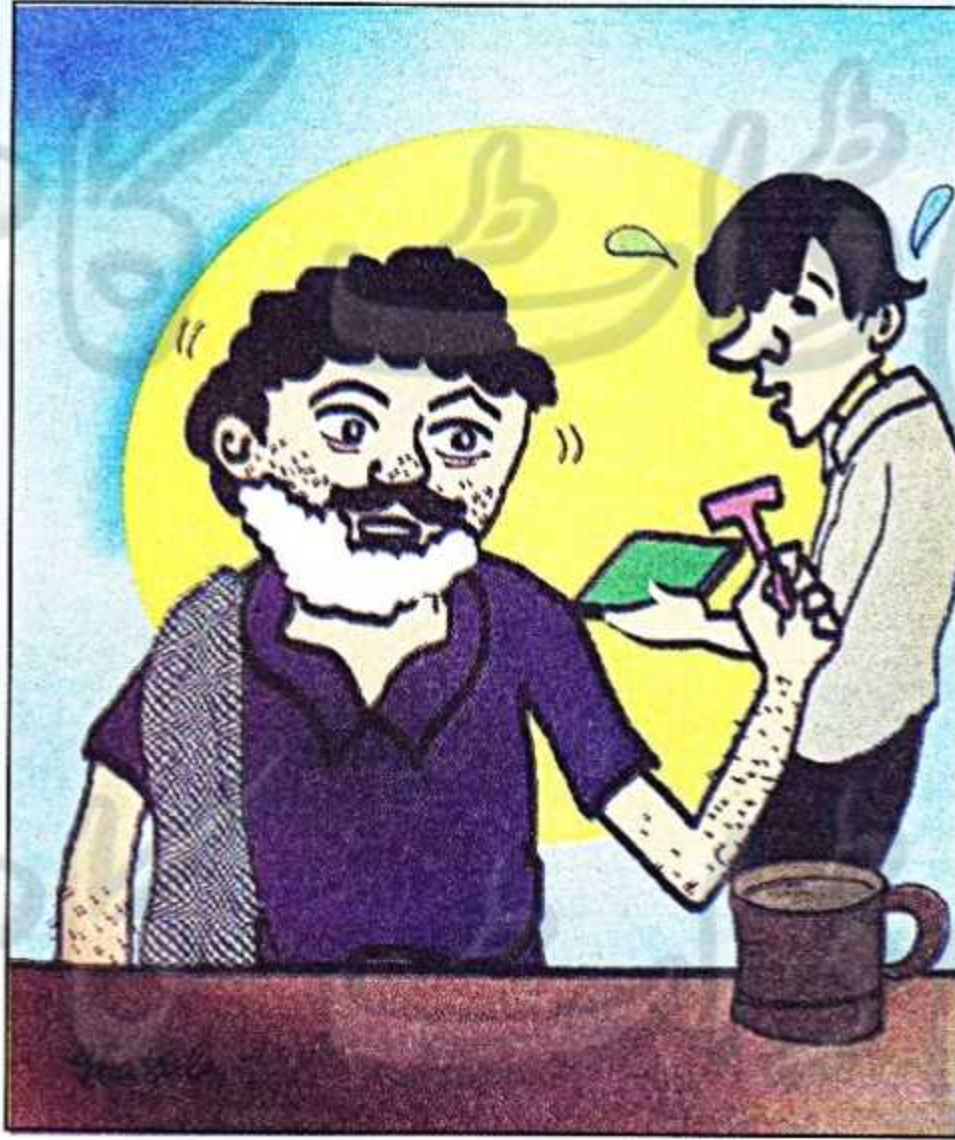
مالک (نوکر سے): ''آج میرے لیے تم شیو کرنے کے لیے جو پانی لائے تھے، وہ بہت میلا تھا۔''

نوکر (حیرت سے): ''شیو کا پانی......؟ جناب! میں تو آپ کو چائے کا کپ دے کر گیا تھا۔''

# بلاعنوان انعامی کہانی

احمد عدنان طارق

کہیں دور جادو سیکھنے کا شوقین ایک بونا رہتا تھا، جسے کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ بہت خود غرض تھا اور ہمیشہ دوسروں کے متعلق جھوٹی باتیں پھیلاتا رہتا تھا۔ اس کا نام شمی تھا۔ وہ ایک بہت خوب صورت گاؤں کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ بونا گاؤں میں نہ رہے، لیکن اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ لوگ مجبوراً اس کے پڑوس میں رہ رہے تھے۔ اس علاقے میں ایک ملکہ حکومت کرتی تھی۔ شمی ایک دن کسی منتر کی تیاری کے لیے قریبی باغ میں گیا، تا کہ وہاں سے گیندے کے پیلے پیلے پھول حاصل کرے۔

قریب پہنچا تو اس نے پھولوں کے جھنڈ میں ایک بہت ہی عجیب وغریب قسم کا گھونسلا دیکھا۔ اس نے گھونسلے میں غور سے جھانک کر دیکھا تو اس میں سبز رنگ کے چار انڈے پڑے ہوئے نظر آئے، جن پر جامنی رنگ کے دھبے تھے۔ اس نے سوچا کہ یہ انڈے منتر کے سلسلے میں ضرور اس کے کام آئیں گے، لہٰذا انھیں یہ اُٹھا لینے چاہییں۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا، کیوں کہ اس ملک کے قانون کے مطابق آپ گھونسلوں سے انڈے چوری نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی اس نے جلدی سے چاروں انڈے اُٹھائے اور انھیں اپنی جیبوں میں ڈال لیے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سارے راستے وہ خیالوں میں تانے بانے بُنتا گیا کہ ان انڈوں کو اپنے منتر میں کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ انڈے کسی سیمرغ یا جادو کے پرندے کے ہوں، کیوں کہ تقریباً سبھی پرندوں کے متعلق اسے معلوم تھا کہ ان کے انڈوں کا رنگ سبز نہیں ہوتا اور ان پر جامنی دھبے نہیں پڑے ہوتے۔ یہی سوچتے سوچتے جب شمی گھر پہنچا تو یہ بھول چکا تھا کہ اس کی جیب میں انڈے ہیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا تو تمام انڈے ٹوٹ گئے۔ ''اوہو'' بے اختیار شمی کے منھ سے نکلا۔ اس نے سوچا، ان انڈوں کی وجہ سے میری جیبیں گندی ہو گئی ہیں۔ اب مجھے جیبیں دوہری کر کے انھیں دھونا پڑے گا۔ وہ باہر گیا اور باہر لگے ہوئے نلکے سے اپنی گندی جیبیں دھونے لگا۔ اس نے انڈوں کے چھلکے گھر سے باہر پھینک دیے۔ جیبیں دھو کر وہ اندر جانے لگا، تاکہ آگ کے قریب بیٹھ کر اپنی جیبیں سکھائے، تبھی اس نے ایک بہت ہی عجیب وغریب پرندہ دیکھا۔ اس کا رنگ گہرا سبز تھا اور اس کے سر اور دُم پر جامنی دھبے پڑے ہوئے تھے۔ وہ پرندہ انسانی زبان میں چلّا رہا تھا:

''میرے انڈے چور لے گئے۔ کوئی مجھے چور کا نام بتاؤ۔''



جیسے ہی شمی نے سبز رنگ کا پرندہ دیکھا، وہ اُلٹے پاؤں گھر کے اندر داخل ہونے کے لیے مڑا، اسے اس پرندے کے متعلق معلوم تھا۔ اسے سیمرغ کہتے تھے۔ ملکہ نے اسے قانون توڑنے والوں کی جاسوسی کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جو بھی قانون توڑتا یہ سیمرغ اس کا سراغ لگا کر اس کے گھر بیٹھ جاتا اور سب کو شور مچا کر اس کی قانون شکنی کے متعلق بتاتا رہتا۔

اب شمی ڈرا ہوا تھا کہ اس پرندے کو یہ پتا نہ چل جائے کہ اس کے انڈے میں نے چوری کیے ہیں، لیکن وہ گھبراہٹ میں یہ بھول گیا کہ انڈوں کے چھلکے گھر کے دروازے پر بکھرے ہوئے ہیں۔ سیمرغ نے انڈوں کے چھلکے دیکھ لیے تھے۔ وہ انڈوں کے چھلکوں کے قریب ہی بیٹھ گیا اور رو رو کر فریاد کرنے لگا۔ اس کی آواز سن کر سب کھڑکی، دروازوں سے

دیکھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے۔ شمی نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور خوف زدہ ہو کر آگ کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کھڑکیاں بھی بند کرلیں تھیں۔ کچھ دیر بعد سیمرغ کا شور وغل ختم ہوا تو شمی سمجھا کہ شاید وہ چلا گیا ہے۔ پھر بھی اس نے بڑی دیر تک کھڑکیاں بند رکھیں اور دروازہ نہیں کھولا۔ سہ پہر کے وقت جب شمی کو لگا کہ وہ محفوظ ہے تو اس نے گھر کا دروازہ کھولا اور مکھن خریدنے بازار چلا گیا۔ سیمرغ بھی گھات لگا کر، چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اُڑ کر گھر کے اندر داخل ہوا اور کمرے کی چھت کے قریب بنے کارنس پر بیٹھ گیا۔ جب شمی واپس آیا تو اس کا ایک دوست بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

اچانک کمرے میں پرندے کی اونچی اور کڑکڑاتی ہوئی آواز گونجی: ''شمی نے میرے انڈے چُرائے ہیں اور انھیں توڑ دیا ہے۔''

شمی نے چھت کی طرف دیکھا تو وہ سبز پرندہ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سخت ناراض ہوا اور اندر سے خوف زدہ بھی تھا، اس لیے اس نے ایک تکیہ اُٹھایا اور پرندے کو دے مارا۔ تکیہ پرندے کے نہیں لگا، البتہ چائے کی میز پر آ گرا، جس سے شیشے کا دودھ سے بھرا جگ زمین پر گر کر ٹوٹ گیا۔

پرندے نے دوبارہ اطمینان کا سانس بھر کر کہا: ''شمی نے میرے انڈے توڑ دیے تھے، اب اپنا جگ بھی توڑ لیا ہے۔''

شمی کا دوست یہ ماجرا سن کر حیران رہ گیا کہ شمی نے سیمرغ کے انڈے چُرائے ہیں۔ اس نے شمی کی طرف افسوس اور حیرت سے دیکھا اور فوراً خدا حافظ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ وہ اتنے ظالم شخص کے ساتھ چائے پینا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے سب کو بتایا کہ شمی کے گھر میں سیمرغ بیٹھا ہے اور اونچی آواز میں شمی کی شکایت کر رہا ہے۔ یہ سن کر

سب بہت خوش ہوئے کہ جلد ہی شمی کو سزا ملنے والی ہے۔

اگلے دن بہت سے لوگ بہانے بہانے سے شمی سے ملنے آئے۔ انھیں شمی سے کوئی کام نہ تھا، بلکہ وہ صرف یہ دیکھنے آئے تھے کہ کیا سیمرغ اب بھی شمی کے گھر میں ہی ہے۔

اس دن پہلا شخص جو شمی سے ملنے آیا وہ اس کا دوست نومی تھا۔ اس نے شمی سے کچھ رپے مانگنے کا بہانہ کیا۔ وہ جیسے ہی آیا فوراً سیمرغ بولا: ''اپنے دوست شمی کو یہ بھی نصیحت کرو کہ اپنی جرابیں تبدیل کرے۔ دونوں پیروں کی جرابوں میں بڑے بڑے سوراخ ہیں۔ میں نے سوراخ دیکھے تھے۔ جب رات شمی نے بوٹ اُتارے تھے۔''

شمی کا رنگ شرم کے مارے سرخ ہوگیا۔ اس نے ایک آلو اُٹھایا اور پرندے کو دے مارا، لیکن پرندہ جُھکائی دے گیا اور آلو سیدھا ٹیبل لیمپ پر جا کر لگا جو ٹوٹ کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ پرندہ بے اختیار اونچی آواز میں ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ خالہ دلشاد تھیں۔ انھوں نے شمی سے دودھ مانگا اور کہا کہ جیسے ہی دودھ والا آئے گا وہ یہ دودھ لوٹا دیں گی۔ دراصل ان کے گھر مہمان آگئے ہیں۔

شمی نے صاف انکار کرتے ہوئے خالہ کو بتایا کہ اس کے پاس بھی دودھ ختم ہوگیا ہے۔

پرندہ جو چھت کے قریب بیٹھا ہوا فوراً چلایا: ''خالہ! اس نے دودھ سے بھرا ہوا جگ الماری میں رکھا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے خود اسے رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

شمی دوبارہ شرم سے لال ہوگیا۔ اس نے پاؤں میں پہنی ہوئی جوتی اُتاری اور پرندے کو دے ماری۔ ایک دفعہ پھر اس کا نشانہ خطا گیا اور اس جوتی کی زد میں آکر گلدان چُور چُور ہوگیا۔ سیمرغ پھر ہنس پڑا۔ وہ اتنی زور سے ہنسا کہ ہنستے ہنستے وہ کارنس



سے زمین پر گرتے گرتے بچا۔ خالہ دلشاد کی بھی ہنسی نکل گئی۔ یہ ایسی بات تھی جو خالہ نے بھی اپنے ملنے والوں کو بتائی۔

خالہ گئیں تو محلے کا دکان دار آگیا۔ اس نے رقم کا تقاضا کیا تو ہمیشہ کی طرح شمی پیسے نہ ہونے کا بہانہ کرنے لگا اور دکان والے کو دوبارہ آنے کو کہا۔ سیمرغ نے موقع دیکھا اور فوراً بولا: ''وہ سامنے میز کی دراز میں اس نے رپے رکھے ہوئے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو خود دیکھ لو۔''

یہ سن کر غصے سے شمی کا بُرا حال تھا۔ اس نے سیمرغ کو چپ رہنے کی تنبیہ کی اور قریب پڑی ہوئی صابن کی ٹکیہ پرندے کو دے ماری۔ جو پرندے کو لگنے کے بجائے اس کارنس سے ٹکرائی جس پر سیمرغ بیٹھا ہوا تھا۔ کارنس سے ٹکرانے کے بعد وہ سیدھی شمی کے سر پر لگی۔ سیمرغ اس دفعہ اتنا ہنسا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب دکان دار ناراض ہو کر چلا گیا تو شمی نے پرندے کو دیکھا اور اس سے کہنے لگا: ''اگر تم نے اب ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالا تو میں بندوق لے کر تمھیں گولی ماردوں گا۔ اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ میں کوئی ایسا قدم اُٹھاؤں، جو تمھیں پسند نہ آئے۔''

یہ سن کر سیمرغ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: ''اگر تم میرے لیے بندوق لے کر آؤ گے تو میں اُڑ کر تمھارے پاس آؤں گا اور تمھاری ناک پر چونچ مار مار کر تمھیں زخمی کردوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ سچ مچ کارنس پر یوں اِدھر اُدھر پھدکنے لگا۔ جیسے غصے سے پاگل ہو رہا ہو۔

اتنے میں دروازے پر ایک دفعہ پھر دستک ہونے لگی۔ شمی نے پرندے کو ایک دفعہ پھر دیکھا اور فیصلہ کیا کہ وہ اب دروازہ نہیں کھولے گا۔ پتا نہیں یہ پرندہ آنے والے کو اس کے متعلق کیا کچھ کہہ دے۔ وہ ایک کرسی کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور دروازے کی دستک سنی اَن سنی کردی۔

دروازے پر کھڑے مہمان نے دوبارہ دستک دی، لیکن شمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر شمی نے باہر لوگوں کو ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ کیا واقعی گھر میں کوئی موجود نہیں ہے۔ یہ سن کر بھی شمی نے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ اس دفعہ سیمرغ اونچی آواز میں بولا: ''صبح بخیر ملکہ عالیہ! شمی گھر میں ہی ہے اور ایک کرسی کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ وہ انتہائی ظالم انسان ہے۔ وہ اتنا گندہ ہے کہ صبح اُٹھ کر منھ بھی نہیں دھوتا۔ اس کی جرابوں میں سوراخ ہیں۔ وہ درازوں میں رقم چھپاتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ اس کے پاس روپے نہیں ہیں۔ وہ لوگوں کے متعلق جھوٹی کہانیاں گھڑتا ہے۔ اس نے میرے چار انڈے چُرا کر توڑ دیے ہیں، جن سے میرے بچے نکلنے تھے۔''

یہ سن کر شمی کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا کہ کون آیا ہے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ واقعی ملکہ عالیہ باہر کھڑی تھیں اور انھوں نے سیمرغ کے انڈوں کی چوری والی ساری بات سن لی تھی۔ شمی سے پوچھنے کے لیے کھڑی تھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟

شمی فوراً کرسی کے پیچھے سے نکلا اور ملکہ کے لیے دروازہ کھولا، تاکہ وہ اندر آسکیں۔ ملکہ عالیہ نے شمی سے کہا: ''شمی! میں تم سے بہت ناراض ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ سیمرغ تمھارے گھر میں کیوں بیٹھا تمھیں تنگ کر رہا ہے۔ تمھاری سزا یہی ہے کہ سیمرغ اب یہیں رہے گا۔ اس وقت تک تمھارے گھر میں رہے گا جب تک تم اچھے انسان نہیں بن جاتے۔''

شمی کے لیے یہ بہت بڑی سزا تھی۔ شمی کو سیمرغ سے انتہائی نفرت ہوگئی تھی، کیوں کہ شمی کا کوئی راز سیمرغ نے راز نہیں رہنے دیا تھا اور ادھر دوسرے لوگوں کو بھی شمی سے نفرت ہوگئی



تھی۔ بار بار لوگوں کے سامنے شمی کو شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ تب اس نے دیکھا کہ اس کے پاس اب اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو تبدیل کرے اور اچھا بننے کی کوشش کرے۔

یہی ایک طریقہ تھا جس کو اپنا کر وہ سیمرغ سے بچ سکتا تھا۔ تب سے اس نے اچھا بننے کی کوشش شروع کی اور اپنی عادتوں پر قابو پایا۔ اب وہ خود غرض اور کینہ پرور نہیں رہا تھا۔ اب وہ لوگوں کے متعلق افسانے گھڑنا چھوڑ چکا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں اس کو اچھا بنتے دیکھ کر سیمرغ بھی اس کے نزدیک آنے لگا۔ وہ اب اتنے اچھے دوست بن گئے تھے کہ جب سیمرغ شمی سے جدا ہونے لگا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شمی نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ مستقل اس کے ساتھ رہ سکتا ہے، کیوں کہ اب وہ بھی جانتا ہے کہ سیمرغ کے بغیر اس کا دل نہیں لگے گا۔

سیمرغ نے اس کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے شمی سے کہا: ''میں اگلے سال اپنا گھونسلا اسی کارنس پر بناؤں گا، لیکن وعدہ کرو تم میرے انڈے نہیں چُراؤ گے۔''

شمی نے ہنستے ہوئے جواب دیا: ''کبھی نہیں۔ میں تو خواب میں بھی ایسا کام نہیں کرسکتا۔ اب میں اچھا اور نیک بن گیا ہوں۔''

☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- مئی ۲۰۱۶ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔
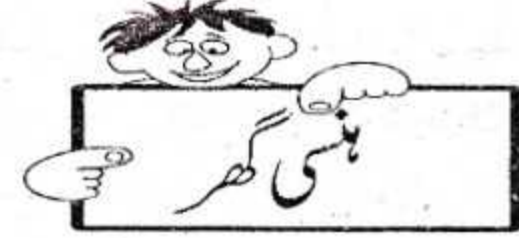
☺ مریض: '' ڈاکٹر صاحب! میرا وزن بہت بڑھ گیا ہے۔''

ڈاکٹر: '' تم روزانہ پانچ کلو میٹر پیدل چلا کرو۔''

ایک دو سال بعد مریض نے ڈاکٹر کو فون کیا: '' ڈاکٹر صاحب! وزن تو کم ہو گیا ہے، مگر چلتے چلتے میں افغانستان پہنچ گیا ہوں۔ علاج ختم کروں یا جاری رکھوں؟''

**مرسلہ:** ایم اختر اعوان، کراچی

☺ چار طالب علموں نے اسکول میں ماہانہ ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی تھی۔ انھوں نے بہانہ بنایا۔ وہ پرنسپل کے پاس گئے اور کہنے لگے: '' سر! ہم شادی میں گئے تھے کہ راستے میں کار کا ٹائر پھٹ گیا، ہم ساری رات دھکا لگاتے رہے، اس لیے پڑھ نہیں سکے۔''

پرنسپل نے بات مان لی اور ٹیسٹ کی تیاری کے لیے چار دن کا وقت دے دیا۔

چار دن بعد انھیں چار مختلف کمروں میں بٹھایا گیا اور صرف ایک ہی سوال دیا: '' کون سا ٹائر پھٹا تھا؟ اگر ایک جیسا جواب آیا تو سب پاس۔''

**مرسلہ:** محمد اُسامہ، کراچی

☺ شوہر دفتر سے گھر آیا تو بیوی نے کہا: '' میں آپ کو چکن بنا دوں؟''

شوہر: '' نہیں میں انسان ہی ٹھیک ہوں۔''

**مرسلہ:** حافظہ عذرہ سعید، چکی شیخ جی

☺ ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کی محفل جمی تھی۔ ہجوم زیادہ تھا اور گرمی بھی۔ ایک افسانہ نگار لوگوں کے جواب اور آٹو گراف دے دے کر تھک گیا تھا۔ لوگ آتے اور اپنے سوال کا جواب یا آٹو گراف لے کر چلے جاتے۔ افسانہ نگار کو گرمی کی وجہ سے غصہ آ رہا تھا۔ کسی عورت نے پوچھا: '' آپ کا نیا افسانہ کب شائع ہوگا؟''

افسانہ نگار نے بیزاری سے کہا: '' میرے مرنے کے بعد۔''



عورت بولی: '' میں اس دن کا بے چینی سے انتظار کروں گی۔''

**مرسلہ:** سلمان یوسف سمیجہ، علی پور

☺ ایک لڑکی کو گانا گانے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنی آواز کا ٹیسٹ کروانے کے لیے گانا گا چکی تو اس نے پوچھا: '' جناب! میری آواز آپ کو کیسی لگی؟''

آواز ٹیسٹ کرنے والے نے جواب دیا: '' بچوں کو ڈرانے کے لیے آپ کی آواز نہایت ہی موزوں ہے۔''

**مرسلہ:** سمیرا گل ناز، کراچی

☺ ایک شخص نے دوسرے سے شکایت کی: '' آپ کا بیٹا مجھے اکثر گالیاں دیتا ہے۔''

'' مگر میرا تو کوئی بیٹا نہیں۔''

'' پھر وہ کون ہے؟''

'' وہ تو میرا پوتا ہے۔''

**مرسلہ:** عافیہ ذوالفقار، کراچی

☺ کسی ملک میں رواج تھا کہ جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے پاس سے گزرتا تو ٹوپی اُتار کر سلام کرتا۔ ایک دفعہ ایک شخص کسی عورت کے پاس سے گزرا تو اس نے ٹوپی اُتارے بغیر ہی سلام کر دیا۔ وہ عورت اس کی بیوی کے پاس گئی اور کہا: '' تمھارے شوہر میں تہذیب کی کمی ہے۔''

بیوی: '' تہذیب کا تو پتا نہیں، مگر ان کے سر پر بالوں کی کمی ہے۔''

**مرسلہ:** حفصہ مریم، کراچی

☆ آدمی: '' یہ کس چیز کا کھیت ہے؟''

کسان: '' کپاس کا، جس سے کپڑے بنتے ہیں۔''

آدمی: '' اچھا تو ان میں سے شلوار کا پودا کون سا ہے؟''

**مرسلہ:** آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو

☺ مرنے والے کے اردگرد برف رکھی ہوئی تھی اور لوگ رو رہے تھے۔

کہیں سے ایک پاگل بھی وہیں آ گیا اور مُردے کو ہلا کے بولا: '' او بھائی! اُٹھ کر برف دو، گاہک رو رہے ہیں۔''

**مرسلہ:** لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص

☆ دو دوست باتیں کر رہے تھے۔ ایک

نے کہا: ''میں نے تمھاری شادی پر فائرنگ کی تھی۔ تم میری شادی پر کیا کرو گے؟''

دوست: ''ہوائی فائرنگ تو سب کرتے ہیں۔ تم میرے سب سے اچھے دوست ہو، میں تو تمھاری شادی پر خودکش دھماکا کروں گا۔''

**مرسلہ:** نام پتا نامعلوم

😊 ایک بوڑھا آدمی چلتی بس میں پھرتی سے چڑھا۔ بس بھری ہوئی تھی۔ ایک نوجوان نے اشارہ کر کے بیٹھنے کے لیے کہا، مگر بوڑھا آدمی تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ایک اور نوجوان نے ہاتھ پکڑ کر اپنی سیٹ پہ بٹھانا چاہا۔ بوڑھا ہاتھ جھٹک کے اور آگے بڑھ گیا اور آواز لگائی: ''اللہ کے نام پہ پانچ، دس رپے کی مدد کر دو۔''

**مرسلہ:** سید سفیان کریم، کراچی

☆ ایک آدمی نے اپنے دوست کو بتایا:
''ہم ۳۵ بہن بھائی ہیں۔''

دوست: ''تمھارے گھر مردم شاری والے آئے تھے؟''

اس نے کہا: ''ہاں، آئے تھے، لیکن اس وقت ہم سب قرآن پاک پڑھ رہے تھے، وہ مدرسہ سمجھ کر چلے گئے۔''

**مرسلہ:** مقدس امام دین، نواب شاہ

☆ ایک آدمی کو اپنی یادداشت ختم کروانے کا خبط ہو گیا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس اپنی میموری واش کروانے گیا۔ ڈاکٹر نے ساری میموری واش کر دی اور پوچھا: ''کچھ یاد ہے؟''

آدمی نے کہا: ''بیوی کا نام یاد ہے۔''

ڈاکٹر ہنس کر بولا: ''سارا ڈیٹا ڈیلیٹ کر دیا، مگر وائرس نہیں گیا۔''

**مرسلہ:** طیب محمود، نواب شاہ

😊 ایک پروفیسر صاحب کالج میں دو الگ الگ رنگ کے موزے پہن کر آئے، اس پر شاگرد بہت حیران ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ''جناب! آپ الگ الگ رنگ کے موزے پہن کر آئے ہیں۔''

اس پر پروفیسر صاحب بولے: ''ارے! ہاں بھائی! اتفاق سے میرے گھر میں بالکل ایسے ہی ایک اور جوڑا بھی پڑا ہے۔''

**مرسلہ:** راشد رشید بھٹو، جنڈو ڈیرو



# بُرائی کا جواب

شیخ عبدالحمید عابد

ایک چیونٹا بڑا محنتی اور شریف تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا۔ کبھی اپنے بل کی مرمت کر رہا ہے تو کبھی منہ میں اناج کا دانہ اُٹھائے چلا آ رہا ہے۔ کاہلی کو گناہ سمجھتا اور ہر کام بڑی محنت سے کرتا تھا۔

وہ وقت کی بھی بڑی قدر کرتا تھا۔ کسی کام سے باہر نکلتا تو کسی سے بے مقصد بات نہ کرتا وہ جانتا تھا کہ عقل مند زیادہ نہیں بولتے۔ راستے میں اگر کوئی جان پہچان والا چیونٹا مل گیا تو دور ہی سے سلام دعا کر لی اور اپنی راہ پکڑی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دردمند دل کا مالک بھی تھا۔ اگر راہ میں کوئی مصیبت زدہ مل جاتا تو اپنا کام چھوڑ کر اس کی مدد کرتا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی عزت کرتا اور چھوٹوں سے بھی شفقت سے پیش آتا تھا۔

اس چیونٹے کے بل کے قریب ہی گندے پانی کا ایک جوہڑ تھا۔ شریر اور گندے بچے گھنٹوں اس میلے کچیلے پانی میں نہاتے رہتے تھے۔ گندے پانی میں بہت سے جراثیم ہوتے ہیں جو ان کی کھال میں چپک کر پھوڑے پھنسی پیدا کر دیتے ہیں۔ ان بچوں کے علاوہ بہت سی بھینسیں بھی سارا دن پانی میں بیٹھی رہتی تھیں۔

چیونٹا بڑا پریشان تھا۔ بھینسیں سارا دن پھرتی رہتی تھیں۔ چیونٹے کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ یا اس کا کوئی بچہ بھینسوں کے پاؤں تلے نہ کچل جائے۔ اب وہ زیادہ تر گھر میں ہی رہتا تھا۔ اگر کبھی کسی ضروری کام سے باہر جاتا بھی تھا تو اپنے بیوی بچوں کو سختی سے کہہ جاتا تھا کہ وہ باہر نہ نکلیں۔

ایک دن چیونٹا بہت تھکا ہوا تھا، اس لیے دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر لیٹ گیا۔ بے چارے کو سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک کسی نے اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ

چونک کر اُٹھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی چیونٹی کھڑی ہے۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ چیونٹے نے جب اس کی طرف دیکھا تو بولی: ''آپ مزے سے سو رہے ہیں اور گھر میں پانی بھرا جا رہا ہے۔''

''ہیں...... کیا کہا پانی...... پانی کہاں سے آ رہا ہے؟'' چیونٹا بولا۔

''میں کیا جانوں کہاں سے آ رہا ہے۔ آپ باہر جا کر دیکھیں اور اس پانی کو کسی طرح بند کریں، ورنہ ہمارا محنت سے جمع کیا ہوا غلہ ضائع ہو جائے گا۔'' چیونٹی نے کہا۔

چیونٹا فوراً باہر کی طرف بھاگا۔ باہر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بل کے بالکل قریب جوہڑ میں ایک بھینس بیٹھی بار بار اپنی دُم کو پانی پر مار رہی ہے۔ جس سے پانی کے چھینٹے اُڑ اُڑ کر چیونٹے کے بل میں داخل ہو رہے ہیں۔ چیونٹے نے یہ منظر دیکھا تو پریشان ہو گیا۔

اس طرح تو ہمارا خوراک کا ذخیرہ خراب ہو جائے گا۔ جاڑوں کے موسم میں بھوکے مر جائیں گے۔ چیونٹے نے یہ سوچا، پھر دوڑ کر بھینس کے قریب ایک پتھر پر چڑھ کر بولا: ''بی بھینس! میری ایک بات سنو!''

''کیا ہے؟'' وہ اکڑ کر بولی۔

''دیکھو بہن! میں ایک غریب اور کم زور سا چیونٹا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تم جانتی ہو ہم زیادہ گرمی برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے مناسب موسموں میں بُرے وقت کے لیے اپنی خوراک ذخیرہ کر لیتے ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' بھینس روکھے پن سے بولی۔

''اچھی بہن! تم بار بار اپنی دُم پانی میں مار رہی ہو۔ اس سے میرے گھر میں پانی داخل ہو رہا ہے اور ہماری خوراک کا ذخیرہ تباہ ہو رہا ہے۔ خدا کے لیے مجھ پر اور میرے بچوں پر ترس کھاؤ اور اپنی دُم پانی پر نہ مارو۔ میں تمام زندگی تمھارا احسان مند رہوں گا۔''



وہ بہت بد اخلاق بھینس تھی۔ اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بڑے زور سے ڈکرائی اور آنکھیں نکال کر بولی: ''جا جا حقیر چیونٹے! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، جب تک چاہوں دُم ہلاتی رہوں۔ تو مجھ پر حکم چلانے والا کون ہوتا ہے؟ دفع ہو جاؤ، ورنہ کچل کر رکھ دوں گی۔''

چیونٹے نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ سمجھ گیا اس ظالم بھینس سے مزید کچھ کہنا بے کار ہو گا۔ چناں چہ وہ سر جھکا کر لوٹ آیا۔ گھر میں بہت زیادہ پانی بھر چکا تھا۔ خوراک کا سارا ذخیرہ تباہ ہو چکا تھا اور چیونٹے کے بچے خوف سے چیخیں مار رہے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے انھیں پانی سے نکالا اور باہر لے آیا۔ پھر ایک حسرت بھری نظر اپنے گھر پر ڈالی اور کسی انجانی منزل کی طرف چل دیا۔ اب اس کے پاس نہ کھانے کو خوراک تھی اور نہ سر چھپانے کا ٹھکانا۔ وہ سخت پریشان تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ چلتے چلتے وہ ایک ٹیلے کے پیچھے جا نکلا۔ اس جگہ چیونٹے کے بہت سے دوست رہتے تھے۔ انھیں جب سارا حال معلوم ہوا تو سب نے چیونٹے سے کہا: ''پیارے بھائی! آپ ہمارے محسن ہیں۔ آپ نے ہر بُرے وقت پر ہماری مدد کی ہے۔ اب قدرت نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم ان احسانوں کا بدلہ اُتار سکیں۔''

یہ کہہ کر بہت سے چیونٹے مل کر ایک مکان کی تعمیر میں لگ گئے۔ وہی کام جو چیونٹا اکیلا کئی دنوں میں مکمل کرتا، اب گھنٹے بھر میں ہی ہو گیا تھا۔ ان سب نے چیونٹے کے لیے بڑا سا مکان بنا دیا۔ مکان کے بعد غذا کا مسئلہ حل کرنے کے لیے سب چیونٹے اپنے اپنے گھر سے تھوڑا تھوڑا اناج لے آئے وہ غلے کا ایک بڑا ڈھیر بن گیا۔ اس طرح چیونٹے کے پاس اب ایک آرام دہ گھر اور ڈھیر سا غلہ تھا۔ اس نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

ایک دن چیونٹا کسی کام سے جوہڑ کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ وہی بھینس پانی سے الگ کھڑی رو رہی تھی اور بار بار اپنے سر کو جھٹک رہی تھی، جیسے وہ سخت

تکلیف میں ہو۔ چیونٹے نے اسے تکلیف میں دیکھا تو بڑا ترس آیا۔ وہ آگے بڑھا اور بھینس سے خیریت دریافت کی۔ بھینس سخت شرمندہ تھی۔ وہ روتے ہوئے بولی: ''بھائی چیونٹے! مجھے معاف کردو۔ میں نے تم پر ظلم کیا تھا۔ اب اس کی سزا بھگت رہی ہوں۔''

''مگر تمھیں کیا تکلیف ہے؟'' چیونٹا بے چینی سے بولا۔

بھینس نے بتایا: ''میں صبح بھوسا کھا رہی تھی کہ ایک چھوٹا سا تنکا اُڑ کر میری آنکھ میں چلا گیا۔ تب سے میری آنکھ میں تکلیف ہے۔ مجھے کسی پَل چین نہیں آرہا ہے اور تنکا کسی طرح نکل بھی نہیں رہا ہے۔''

''میں تمھاری مدد کرسکتا ہوں۔'' چیونٹا بولا: ''تم اپنا سر زمین پر رکھو۔''

بھینس نے جھٹ اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ اب چیونٹا اس پر چڑھ گیا اور آنکھ کے قریب جا کر تھوڑی دیر میں وہ تنکا باہر نکال پھینکا۔ تنکا نکلنے سے بھینس کو بے حد سکون ملا اور وہ احسان کے بوجھ تلے دب گئی۔

اس نے شکریہ ادا کیا اور بولی: ''میں نے تم پر ظلم کیا، لیکن پھر بھی تم نے مجھ پر احسان کیا۔ آخر کیوں؟''

چیونٹا بولا: ''سنو بہن! تمھاری بدی کے جواب میں اگر میں بھی بدی کرتا تو میرے اور تمھارے درمیان کیا فرق رہ جاتا۔ اگر تمام لوگ بدی کا جواب بدی سے ہی دینے لگیں تو دنیا سے نیکی بالکل ہی مٹ جائے گی۔ پھر اگر تمھیں اس خوشی کا احساس ہو جائے جو کسی کے ساتھ بھلائی کرنے سے ملتی ہے تو تم کو تمھارے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔''

یہ سن کر بھینس نے وعدہ کیا کہ اب میں کسی کو نہیں ستاؤں گی اور سب کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں گی۔

☆



# آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ مارچ ۲۰۱۶ء کے بارے میں ہیں

❁ ۲۳ مارچ کا دن ہمارے لیے بہت اہم ہوتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح سے اس مہینے کا شمارہ بہت خوب تھا۔ جاگو جگاؤ نے ایک بار پھر متاثر کیا۔ خیال کے پھولوں نے اہم رہنمائی دی۔ مسعود احمد برکاتی کی تحریر ''جس کو بھلا یا نہ جا سکے گا'' بہت اچھی لگی۔ کہانیوں میں ''دوسرا سایہ'' اور ''نیکی کا چراغ'' اچھی لگیں۔ ہنسی گھر بھی کمال کا تھا۔ نسرین شاہین کی تحریر ''حیرت انگیز کیڑے مکوڑے'' میں بہت قیمتی معلومات تھی۔ غرض ہر چیز ہمدرد نونہال کی بہت قیمتی تھی۔ راحم فرخ خان، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ بے حد اچھا لگا۔ اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں، نظمیں اور معلومات سے بھرپور مضامین تھے جو کہ پسند آئے۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی اقصیٰ غفار کی ''لکڑی کی کشتی'' تھی، یہ کہانی جیسے جیسے پڑھتے گئے، مزہ دو بالا ہوتا گیا۔ دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس) جنوں پر بنی اچھی اور سپرہٹ کہانی تھی۔ شکار تماشا (جاوید اقبال) کی مزاح سے بھرپور کہانی تھی، جس سے دل چسپی بڑھی۔ اس کے علاوہ درختوں کی بددعا (سعیہ غفار)، نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد)، اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی) اور پاکستان ہمارا ہے (ادیب سمیع چمن) یہ کہانیاں مزے دار تھیں۔ نظموں میں ''محمو بھائی کی بیل گاڑی'' (شاہد حسین) سب سے لاجواب لگی۔ باقی تمام نظمیں بھی اچھی رہیں۔ پہلی بات میں انتظار حسین اور فاطمہ ثریا بجیا کے انتقال کا پڑھ کر دکھ ہوا۔ اشتیاق احمد اور وقار محسن کی وفات بھی ہمارے لیے دلی صدمہ ہے۔ اس مہینے کا خیال اچھا رہا۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

❁ زندگی میں پہلی بار پیارے رسالے ہمدرد نونہال کے لیے خط لکھ رہی ہوں۔ ہمدرد نونہال سے بچپن ہی سے آشنا ہوں، جب ہم اٹک اٹک کر مزے لے لے کر کہانیاں پڑھا کرتے تھے۔ ورزہ ندیم، کراچی۔

❁ تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بلاعنوان کہانی لاجواب تھی۔ باقی کہانیاں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ ہنسی گھر میں صرف گلناز شمیم کا لطیفہ اچھا لگا، باقی سب پرانے تھے۔ معراج محبوب عباسی، ہری پور ہزارہ۔

❁ اس بار سرورق کے سوا کوئی کہانی کوئی تحریر اچھی نہیں لگی۔ اچھی اچھی کہانیاں شائع کیا کریں۔ میں ہر ماہ ڈرائنگ بھیجتی ہوں، شائع کیوں نہیں ہوتی؟ عالیہ ذوالفقار، کراچی۔

> آپ کی ڈرائنگ اسی شمارے میں شامل ہے۔ کوشش جاری رکھیں۔ رسالے کے متعلق اپنی کھری کھری رائے لکھتی رہیں۔

❁ ہمدرد نونہال کا ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا۔ کہانیوں میں اجنبی کا تحفہ اور دوسرا سایہ اچھی لگیں۔ بلاعنوان کہانی کا مرکزی خیال اچھا نہیں تھا۔ لطیفے پڑھ کر مزہ آیا۔ حافظہ عذرہ سعید، چکی شیخ جی۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں درختوں کی بددعا، دوسرا سایہ، نیکی کا چراغ، لکڑی کی کشتی بہت زبردست تھیں۔ علشبہ اسحاق، ہری پور۔

❁ مارچ کا سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سرورق انتہائی خوب صورت لگا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہت اچھی لگی۔ تمام کہانیاں بھی سپرہٹ تھیں۔ ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ ادم حسن، کراچی۔

❁ مارچ کے سرورق پر ''عنایہ'' کی تصویر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کہانیاں مزے دار تھی۔ اقصیٰ غفار کی کہانی ''لکڑی کی کشتی'' بہت اچھی لگی۔ باقی کہانیوں میں دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس)، نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، شکار تماشا (جاوید اقبال) سمیت ساری کہانیاں دل چسپ تھیں۔ باقی سلسلے اچھے لگے۔ نظمیں، لطائف، مضامین اور روشن خیالات نے نونہال کو روشن کر دیا۔ ناعمہ ذوالفقار، زبیر بن ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

❁ سرورق نہایت خوب صورت تھا۔ کہانیاں اچھی تھیں۔ محمد اقبال شمس کی کہانی ''دوسرا سایہ'' نے ہمدرد نونہال کو چار چاند لگا دیے۔ نظمیں اچھی لگیں۔ تمام سلسلے عمدہ ہیں۔ نونہال ادیب، علم دریچے، بیت بازی اور آدھی ملاقات اچھی رہی۔ آسیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت عمدہ تھا۔ سب سے پہلے بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد) اور شکار تماشا (جاوید اقبال) کہانی اچھی لگی۔ دوسرے نمبر پر نیکی کا چراغ (جدون ادیب) بہت اچھی لگی، جب کہ تیسرا نمبر لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار) اور دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس) کا تھا۔ سب سلسلے عمدہ تھے۔ نظمیں اور مضامین لاجواب تھے۔ حافظ زہیر ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

❁ اس مہینے کا خیال ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔ پہلی بات میں فاطمہ ثریا بجیا کی وفات کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ (آمین)۔ تحریر "جس کو بھلایا نہ جاسکے گا" سپرہٹ رہی۔ نیکی کا چراغ، لکڑی کی کشتی، شکار تماشا بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ مجھے کہانیاں لکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیا میں لکھ سکتی ہوں؟ کرن حسین، کراچی۔

> ضرور لکھ سکتی ہیں۔ کہانی نہ چھپ سکے تو مایوس نہ ہوں۔ مستقل مزاجی سے کوشش جاری رکھیں۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں نیکی کا چراغ، اجنبی کا تحفہ اور دوسرا سایہ بہت اچھی لگیں۔ نظموں میں اچھے بچو! اور نصیحت سپرہٹ تھیں۔ ہنسی گھر بھی بہت زیادہ اچھا لگا۔ محمد سلمان زاہد، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ کچھ خاص نہیں تھا۔ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار)، نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، شکار تماشا (جاوید اقبال) اور اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی) اچھی تھیں۔ لطیفے گھسے پٹے تھے۔ روشن خیالات واقعی روشن تھے۔ نظموں میں نصیحت، اچھے بچو! بہترین نظمیں تھیں۔ بلاعنوان کہانی کچھ خاص نہیں تھی۔ محمد عدنان زاہد، محمد فرحان زاہد، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار)، نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی)، بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہنسی گھر بھی بہت خوب تھا، پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ایمان منظور، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ اس بار جاگو جگاؤ، پہلی بات کی تحریریں سبق آموز ہیں۔ ان پر ہمیں عمل کرنا چاہیے، تاکہ ہماری زندگی بھی اچھی ہو۔ اس کے علاوہ روشن خیالات، علم دریچے، بلاعنوان کہانی، ہنسی گھر، معلومات افزا، آدھی ملاقات کس کس کی تعریف کی جائے، میری دلی دعا ہے کہ رسالے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہو۔ اس کے علاوہ پورے اسٹاف کو اتنی محنت کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ ایم اختر اعوان، کراچی۔

❁ اس دفعہ کا رسالہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں ٹاپ پر تھیں۔ دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس)، نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، شکار تماشا (جاوید اقبال) بہت ہی شان دار تھیں۔ ماریہ اعظم، گوجرانوالہ۔

❁ اس ماہ کی بلاعنوان کہانی بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ لکڑی کی کشتی، دوسرا سایہ، نیکی کا چراغ اور شکار تماشا بہت اچھی اور منفرد موضوع پر مبنی تھیں۔ مقدس جہاں، مشعل جہاں، محمد عبدالماض، جگنا معلوم۔

❁ ہمدرد نونہال ہم سب گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ ہر ماہ ہمیں اس کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ اس کی تمام کہانیاں، لطائف اور نظمیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ آسیہ حسین، احمد پور لمہ۔

❁ میں ہمدرد نونہال بڑے شوق کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اپنی تحریر دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اب مجھ میں اور لکھنے کا حوصلہ اور ہمت پیدا ہوئی ہے۔ ملک محمد طفیل، جہلم۔

❁ مارچ کا شمارہ نہایت عمدہ تھا۔ سرورق کی تصویر بھی اچھی لگی۔ فاطمہ ثریا بجیا کی وفات کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ روشن خیالات بھی عمدہ تھے۔ اجنبی کا تحفہ، شکار تماشا، دوسرا سایہ اور لکڑی کی کشتی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اسمیع احمد، آزاد کشمیر۔

❁ اس بار سرورق نمبر ون رہا اور تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ معلومات ہی معلومات سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس بار لطیفے پڑھ کر بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ نونہال لغت سے بھی علم میں اضافہ ہوا۔ عمیر مجید، جگنا معلوم۔

❁ مارچ کا شمارہ نہایت زبردست تھا۔ پہلے نمبر پر لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار)، دوسرے نمبر پر دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس)، تیسرے نمبر پر اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی) تھی۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگی اور ہنسی گھر پڑھ کر تو ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہو گیا۔ عمیر، عمر، عمار، میمونہ، زنیرہ، یسریٰ رمیصاء، حیدرآباد۔

❁ مارچ کا شمارہ تمام شماروں پر بازی لے گیا۔ کہانی "درختوں کی بددعا" بازی لے گئی۔ سعد احمد، بہاول پور۔



❁ مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ "دوسرا سایہ" پہلے نمبر پر تھی۔ ہنسی گھر نے ہنسا ہی دیا۔ محمد شکیب، بہاول پور۔

❁ اس بار سرورق بہت، بہت اچھا لگا۔ ہمدرد نونہال کی تعریف الفاظ میں نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ علم دریچے میں اقتباسات واقعی زبردست تھے۔ محمد بلال مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

❁ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار)، دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس)، شکار تماشا (جاوید اقبال) اور بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد) بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ نظموں میں "اچھے بچو!" بہت اچھی نظم تھی۔ حافظ عابد علی، راولپنڈی۔

❁ اس بار کا شمارہ بھی بہت زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ نے اس بار بھی جگا دیا۔ لکڑی کی کشتی اچھی کہانی تھی۔ دوسرا سایہ، خیال اچھا تھا۔ چھوٹو جن کو سبق مل گیا۔ اجنبی کا تحفہ اور نیکی کا چراغ بھی پسند آئی۔ حیرت انگیز کیڑے مکوڑے پڑھ کر بہت اچھی معلومات حاصل ہوئی۔ بلاعنوان کہانی زبردست تھی۔ مجھے ساری کہانیاں ہی اچھی لگیں۔ یسریٰ صدیقی، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ سرورق پر عنایہ احسن کی تصویر بہت اچھی لگی۔ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی، دوسرا سایہ، بلاعنوان کہانی اور شکار تماشا اچھی لگیں۔ معلومات ہی معلومات پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ ہنسی گھر کے لطیفے پڑھے تو خوب ہنسی آئی۔ اس شمارے کی کہانیاں بہت سبق آموز تھیں۔ عبدالرحمٰن، قصور۔

❁ اشتیاق احمد کی وفات کے بعد جناب انتظار حسین کی اچانک وفات ہمدرد نونہال کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ جس کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ سرورق کی تصویر سے لے کر نونہال لغت تک مارچ کا شمارہ تعریفوں کے لائق ہے۔ اس کے علاوہ اس شمارے کی بلاعنوان کہانی سپرہٹ رہی۔ افرح صدیقی، کورنگی، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال زندہ باد! مارچ کا شمارہ زیادہ پسند آیا۔ لطیفے سب اچھے رہے۔ کہانیاں ساری اچھی تھیں۔ معلومات افزا کے سوالات کافی مشکل ہے۔ سعد احمد صدیقی، کورنگی، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ اچھا لگا۔ ڈرائنگ کا اسٹائل نمبر ون رہا۔ لطیفے بھی اچھے رہے۔ کہانیوں میں شکار تماشا اور دوسرا سایہ بہت زیادہ پسند آئیں۔ مریم صدیقی، کورنگی، کراچی۔

❁ مارچ کا شمارہ امتحان کی وجہ سے بالکل نہ پڑھ سکا، البتہ اگلے مہینے دو شمارے پڑھوں گا۔ کہانیوں کے نام ہی اتنے اچھے ہیں کہ صبر نہیں ہو رہا۔ عمار احمد صدیقی، کورنگی، کراچی۔

❁ محنت اور کام کے بعد تھوڑی بہت تفریح بھی ضروری ہے۔ جاگو جگاؤ میں حکیم صاحب کی سنہری باتیں دل موہ لیتی ہیں۔ ممتاز ناول نگار انتظار حسین اور فاطمہ ثریا بجیا کی وفات سے دکھ ہوا۔ ان کا خلا کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ لکڑی کی کشتی دل چسپ کہانی تھیں۔ دوسرا سایہ، اجنبی کا تحفہ اور بلاعنوان کہانی نے بہت محظوظ کیا۔ نونہال ادیبوں کی کاوشیں بھی قابلِ تحسین ہیں۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔

❁ موسمِ بہار کی طرح مہکتا ہوا مارچ کا شمارہ نہایت شان دار تھا۔ پڑھ کے دل باغ باغ ہو گیا۔ خاص طور سے کہانیاں "اجنبی کا تحفہ اور نیکی کا چراغ بہت ہی دل چسپ تھیں۔ معلومات افزا واقعی روح افزا کی طرح صحت دماغ کے لیے مفید ہوتا ہے۔ ہنسی گھر تو واقعی ہنسی کا طوفان لے آیا۔ تمام کا تمام شمارہ نہایت مفید اور دل چسپ تھا۔ ذل فاطمہ صدیقی، کراچی۔

❁ جناب انتظار حسین اور محترمہ فاطمہ ثریا بجیا کے بارے میں پڑھ کر بہت رنج ہوا۔ باقی پورا رسالہ حسبِ دستور بہت بہترین رہا۔ ہم آپ کی زندگی، صحت اور رزق کے لیے دعا گو ہیں۔ "شکریہ" بہت چھوٹا سا لفظ ہے، آپ لوگوں کی تعریف کے لیے، پھر بھی ہم تہِ دل سے آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں کے شکر گزار ہیں۔ ہر کام کرنے والے کو ہمارا اسلام پہنچے۔ بہادر علی حیدر، کنڈیارو۔

❁ سرورق بہت ہی اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ میں بہت ہی اچھی باتیں پڑھنے کو ملیں۔ کہانیوں میں سب سے بہترین کہانی "لکڑی کی کشتی" لگی۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر "دوسرا سایہ" اور تیسرے نمبر پر "شکار تماشا" کہانیاں اچھی لگیں۔ اس کے بعد ایک عظیم سائنسی شخصیت پر مسعود احمد برکاتی کا لکھا ہوا مضمون "جس کو بھلایا نہ جاسکے گا" بہت ہی عمدہ مضمون ہے۔ شاہد حسین کی نظم "گلو بھائی کی بیل گاڑی" بہت کمال کی نظم تھی۔ باقی تمام چیزیں اور سلسلے بھی بہترین تھے۔ محمد وقار الحسن، اوکاڑہ۔

❁ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں نیکی کا چراغ سب سے

اچھی تھی۔ اس کے علاوہ اجنبی کا تحفہ، پاکستان ہمارا ہے، بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھیں۔ ہادیہ ثاقب، ضلع منڈی بہاؤالدین۔

٭ مارچ کا شمارہ بھی ہر ماہ کے شمارے جیسا خوب صورت تھا۔ تمام کہانیوں میں بلاعنوان کہانی بے حد پسند آئی۔ محمد اذعان خان، کراچی۔

٭ مارچ کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ پڑھنے کے بعد جب پہلی بات پڑھی تو بہت دکھ ہوا یہ جان کر کہ ہم سے دو عظیم ہستیاں ہم سے جدا ہو گئیں ہیں۔ کہانیاں ساری ہی زبردست تھیں۔ پہلے نمبر پر دوسرا سایہ تھی۔ کہانی لکڑی کی کشتی کے منتر بہت پسند آئے۔ شکار تماشا ایک مسکراتی تحریر تھی۔ "جس کو بھلایا نہ جا سکے" ایک معلوماتی تحریر تھی۔ سرورق بہت اچھا تھا اور اس پر مینار پاکستان کی تصویر ۲۳ مارچ کے حوالے سے بہت اچھی تھی۔ عمران خان، کراچی۔

٭ ہر شمارے کی طرح مارچ کا شمارہ بھی سپر ہٹ تھا۔ بلاعنوان کہانی مزاحیہ بھی تھی اور مشکل بھی۔ عمیرہ صابر، کراچی۔

٭ انکل! مجھے ہمدرد نونہال پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کی ساری کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ میں آٹھ سال کا ہوں۔ پہلے میری امی مجھے اس کی کہانیاں سناتی تھیں، لیکن اب میں خود پڑھتا ہوں۔ عبداللہ صابر، کراچی۔

٭ مارچ کا شمارہ پڑھا، بہت خوب لگا۔ ہر ایک کہانی اپنی مثال آپ تھی۔ انجم صابر، کراچی۔

٭ میں دوسری جماعت میں پڑھتی ہوں۔ ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ ردا فاطمہ، احمد پور لمہ۔

٭ مارچ کا شمارہ پڑھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ کہانیوں کا معیار انتہائی مایوس کن ثابت ہوا۔ معلومات ہی معلومات میں ایسی کو خاص بات نہیں ہوتی، جسے ہر ماہ شائع کیا جائے۔ لکڑی کی کشتی ایک کمزور کہانی تھی۔ دوسرا سایہ سمجھ میں نہ آنے والی کہانی ہے۔ پاکستان ہمارا ہے روایتی کہانی ہے۔ اجنبی کا تحفہ کہانی تھی، مگر ۵۰ لاکھ روپے کا انعام ملنے والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ نیکی کا چراغ اچھا خیال تھا، مگر آخر میں اختتام خراب کر دیا گیا ہے۔ درختوں کی بددعا کا خیال بھی پرانا ہے، کوئی نیا پن نہیں ہے۔ حیرت انگیز کیڑے مکوڑے اچھا مضمون تھا۔ بلاعنوان کہانی میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ شکار تماشا میں بھی کوئی نیا پن نہیں ہے۔ نظمیں اچھی تھیں۔ خوشبو محمد جمیل، کورنگی، کراچی۔

٭ تازہ شمارہ ہاتھ میں آتے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہمدرد نونہال کا ہر انداز نرالا ہوتا ہے اور ہر کہانی سپر ہٹ ہوتی ہے۔ ہنسی گھر پڑھ کر تو پیٹ میں گدگدی ہو جاتی ہے۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب زبردست تھا۔ تسبیح محفوظ، جگہ نامعلوم۔

٭ مارچ کا شمارہ لاجواب تھا۔ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی، دوسرا سایہ، اجنبی کا تحفہ، نیکی کا چراغ اور درختوں کی بددعا پسند آئیں۔ انکل! اگر میں کوئی کہانی لکھ کر اس کے ساتھ تصویریں بھی بنا کر بھیجوں تو کیا وہ رسالے کی زینت بن سکتی ہیں؟ محمد شہیر مرجانی ٹاؤن۔

> کہانی پڑھ کر اور تصویر دیکھ کر اس کے معیار کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ "میاں بلوٹے کی کہانی" ہمیں موصول نہیں ہوئی۔ آپ بھی لکھیں۔ بددل نہ ہوں۔ اچھی تحریر اور اچھی تصویر اپنی جگہ بنائے گی۔

٭ مارچ کا چمکتا دمکتا ہمدرد نونہال ملا۔ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی، نیکی کا چراغ اور شکار تماشا اچھی لگیں۔ باقی کہانیوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مضمون "جسے بھلایا نہ جا سکے گا" اور حیرت انگیز کیڑے مکوڑے بہت اچھا تھا۔ ایسے مضامین لازمی دیا کریں۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ حفصہ محمد خلیل، حیدرآباد۔

٭ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں۔ نیکی کا چراغ (جدون ادیب)، بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد) اور شکار تماشا (جاوید اقبال) بہت پسند آئی۔ مسعود احمد برکاتی کا مضمون بھی بہت اچھا تھا۔ مقدس جبار، حیدرآباد۔

٭ مجھے ہمدرد نونہال بہت پسند ہے۔ میں ہر ماہ پابندی سے پڑھتی ہوں۔ میری خواہش ہے میری تحریریں اور پینٹنگ بھی نونہال میں شائع ہوں۔ میں پہلی بار خط اور تحریریں بھیج رہی ہوں۔ حلیمہ صابر، ہری پور۔

٭ کہانیوں میں شکار تماشا، اجنبی کا تحفہ، درختوں کی بددعا دل کو چھو لینے والی تھیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی کاوش "جس کو بھلایا نہ جا سکے گا" معلومات سے بھرپور تھی۔ نسرین شاہین کی تحریر "حیرت انگیز کیڑے مکوڑے" معلومات کا خزانہ تھی۔ نونہال ادیب میں ذیشان علی کی "کوشش" بہت پسند آئی۔ عائشہ رانی، مائبہ ثاقب، صدف ثاقب، ثانیہ فرخ، محمد ضیا، فرخ جنجوعہ، پنڈدادن خان۔



٭ مارچ کا شمارہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی، دوسرا سایہ اور نیکی کا چراغ تجسس سے بھرپور تھیں۔ نظموں میں نصیحت اور گلو بھائی کی بیل گاڑی دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں۔ بلاعنوان کہانی بہت ہی سبق آموز اور مزے دار تھی۔ راجا ثاقب محمود جنجوعہ، راجا فرخ حیات، راجا نزہت حیات، پنڈدادن خان۔

٭ مارچ کے شمارے میں "جس کو بھلایا نہ جا سکے گا، معلومات ہی معلومات اور حیرت انگیز کیڑے مکوڑے" نے بہت ہی مفید معلومات دیں۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں بھی اچھی تھیں، لیکن نیکی کا چراغ اور اجنبی کا تحفہ سپر ہٹ تھیں۔ ہم پاکستانیوں کو، درختوں کی بددعا اور پاکستان ہمارا ہے" جیسی تحریروں پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمدرد نونہال آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جس طرح بچوں کی اصلاح کر رہا ہے، آپ کی اور شہید حکیم محمد سعید کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو کروٹ کروٹ پر راحت نصیب فرمائے۔ ہمدرد نونہال اسمبلی میں صرف مخصوص ممبران ہی شریک ہوتے ہیں یا قارئین بھی اس میں شریک ہو سکتے اور حصہ لے سکتے ہیں؟ محمد ارسلان صدیقی، کراچی۔

> ہر تحریر لکھنے والے کو جگہ ملتی ہے۔ کوئی پابندی نہیں ہے۔

٭ سرورق بے حد پسند آیا۔ پورا شمارہ ہر مہینے کی طرح اس بار بھی بے حد اچھا تھا۔ نونہال ادیب کی کہانیوں میں چوری کے کپڑے (عائشہ اسرار)، کوشش (ذیشان علی) اچھی تھیں۔ اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی) سمیت ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ محمد تیمور علی، کراچی۔

٭ لکڑی کی کشتی زبردست کہانی تھی۔ دوسرا سایہ بھی اچھی تھی۔ نیکی کا چراغ پڑھ کر سبق ملا کہ ہمیں نیکی کے کاموں میں حصہ لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ پاکستان ہمارا ہے، اجنبی کا تحفہ، درختوں کی بددعا، شکار تماشا بھی بہترین کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان کہانی ہمیشہ کی طرح بہت اچھی تھی۔ مریم عبدالسلام شیخ، نواب شاہ۔

٭ مارچ کے شمارے کا سرورق اچھا تھا، بلکہ پورا رسالہ ہی زبردست تھا۔ لکڑی کی کشتی، دوسرا سایہ، اجنبی کا تحفہ، پاکستان ہمارا ہے، اے ون کہانیاں تھیں۔ نونہال ادیب میں بھی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان کہانی پورے رسالے میں سب سے ٹاپ پر تھی۔ درختوں کی بددعا کہانی سپر ہٹ تھی۔ نظمیں بہت اچھی تھیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہو گیا۔ عائشہ، رابعیل، حیاء شیخ، نواب شاہ۔

٭ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اجنبی کا تحفہ (گلاب خان سولنگی) سب سے پہلے نمبر پر تھی۔ باقی کہانیوں میں نیکی کا چراغ (جدون ادیب) اور بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد) پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ معاذ جاوید، کراچی۔

٭ بلاعنوان کہانی ہمیں بہت پسند آئی۔ نونہال ادیب اور نونہال مصور میں نونہال بہترین کوشش کر رہے ہیں۔ میں ان نونہالوں کو سلام کہتی ہوں۔ لکڑی کی کشتی بہت دل چسپ کہانی تھی۔ کہانی نیکی کا چراغ پُر اثر اور سبق آموز تھی۔ نونہال خبر نامہ بھی کافی عرصے بعد رسالے کی زینت بنا، مگر مزے دار خبروں کے ساتھ۔ درختوں کی بددعا بھی ایک اچھا سبق دے گئی۔ سمیرہ بتول، حیدرآباد۔

٭ مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ تصویر خانہ میں میرے تمام ساتھیوں کی تصویریں بہت اچھی تھیں۔ نونہال ادیب میں میرے تمام بھائی، بہنوں نے بہت عمدہ لکھا۔ سرورق پر عنایہ احسن کی تصویر بھی لاجواب تھی۔ نور فاطمہ، کراچی۔

٭ مارچ کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ اول نمبر پر بلاعنوان کہانی (صداقت حسین ساجد) اور نیکی کا چراغ (جدون ادیب) تھیں۔ دوسرے نمبر پر دوسرا سایہ (محمد اقبال شمس) اور لکڑی کی کشتی (اقصیٰ غفار) تھیں۔ تیسرے نمبر پر شکار تماشا (جاوید اقبال) تھی۔ نام پتا نامعلوم۔

٭ تازہ شمارہ بہت ہی عالی شان تھا۔ تحریریں سب زبردست تھیں۔ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب میں ہمدرد نونہال پڑھتا ہوں۔ آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو۔

٭ سرورق مہینے کی مناسبت سے اچھا تھا۔ بلاعنوان، شکار تماشا، دوسرا سایہ، لکڑی کی کشتی، نیکی کا چراغ، غرض تمام شمارہ زبردست تھا۔ عمر معاویہ، غنی رحمٰن، لیاری، کراچی۔

٭ کہانیوں میں لکڑی کی کشتی اور نیکی کا چراغ سب سے اچھی لگی۔ نظموں میں گلو بھائی کی بیل گاڑی اول رہی۔ عائشہ خان بلوچ، خان پور۔ ☆

# جوابات معلومات افزا - ۲۴۲

## سوالات مارچ ۲۰۱۶ء میں شایع ہوئے تھے

مارچ ۲۰۱۶ء میں معلومات افزا-۲۴۳ کے لیے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے درست جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔ ۱۶ درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی بڑی کشتی حضرت حضرت نوحؑ نے بنائی تھی۔
۲۔ حضرت آدمؑ کے تیسرے بیٹے حضرت شیثؑ تھے۔
۳۔ سونا سب سے زیادہ جنوبی افریقا میں پایا جاتا ہے۔
۴۔ پاکستان کا قومی مشروب گنے کا رس ہے۔
۵۔ پاکستان کے مشہور مصور آذر زوبی کا اصل نام عنایت اللہ ہے۔
۶۔ پاکستانی سائنس داں پروفیسر عبدالسلام کو فزکس، طبعیات کا نوبل انعام دیا گیا تھا۔
۷۔ ضلع بہاول پور اور بہاول نگر کا صحرائی علاقہ چولستان کہلاتا ہے۔
۸۔ شمالی رھوڈیشیا، افریقا کے ایک ملک زیمبیا کا پرانا نام ہے۔
۹۔ بشارالاسد جون ۲۰۰۰ء میں شام کے صدر (جانشین) بنے۔
۱۰۔ ۵۲۱ ہجری میں عراق کے حاکم (گورنر) عمادالدین زنگی تھے۔
۱۱۔ ''اردو کی آخری کتاب'' مشہور مزاح نگار ابنِ انشا کی تصنیف ہے۔
۱۲۔ ''HICCUP'' انگریزی زبان میں ہچکی کو کہتے ہیں۔
۱۳۔ پاکستان میں دن کے بارہ بجے ہوں تو برازیل میں صبح کے چار بجے کا وقت ہوگا۔
۱۴۔ عربی زبان کے لفظ ''شدید'' کی جمع شدائد ہے۔
۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''جھوٹے کو گھر تک پہنچا دینا۔''
۱۶۔ مولانا ظفر علی خاں کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے

## قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: ضحیٰ زبیر، عثمان گل اعوان، حفصہ ثمین گل اعوان، عائشہ جاوید خانزادہ، ہانیہ شفیق، محمد آصف انصاری ☆ حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ، امامہ تجمل۔
☆ لاہور: عبدالجبار رومی انصاری، زاہد امتیاز ☆ پشاور: محمد حمدان۔
☆ وزیرآباد: محمد وسیم عارف ☆ بے نظیر آباد: نصرت ممتاز۔
☆ ملتان: احمد عبداللہ ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد۔

## ۱۶ درست جوابات دینے والے قابل نونہال

☆ کراچی: محمد اختر حیات، ثوبیہ گل اعوان، اقرا گل اعوان، محمد عالیان حفیظ، محمد مصعب علی ☆ حیدرآباد: ماہ رُخ ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ خانیوال: محمد شفان الحق ☆ کہروڑ پکا: محمد ارسلان رضا ☆ قصور: عبدالرافع ☆ کوٹلی: محمد جواد چغتائی۔

## ۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: اُم کلثوم، ہادیہ کاشف، مسکان فاطمہ، علینا اختر، ناعمہ تحریم، زمل فاطمہ، سید صفوان علی جاوید، افضال احمد خاں، زبیر ذوالفقار بلوچ، محسن محمد اشرف، طاہر مقصود، احمد حسین، محمد ارسلان صدیقی، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، محمد مصعب انصاری، سعدیہ انصاری، ماریہ انصاری، تراب انصاری ☆ راولپنڈی: سارہ امام، حنا کومل، مریم صدیق ☆ میرپور خاص: نور اقبال، ثمینہ سیال ☆ چمن: محمد مناص ☆ لاہور: محمد حماد احسن اقبال ☆ سانگھڑ: فاروق جمیل بروہی ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ پھُلن شہر: محمد جاوید ابراہیم پھُلن ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ اسلام آباد: حسیب جاوید قاضی۔

## ۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد ابوبکر بن عمران، بلال خان، صبا عبدالرحیم، کامران گل آفریدی، احسن محمد اشرف، محمد اویس، فضل قیوم خان، صفی اللہ، بہادر شاہ ظفر، علی حسن خان، احمد رضا، طلحہ سلطان شمشیر علی، محمد معین الدین غوری، فائزہ ربانی، سعیعہ فاروقی، فوزان اظہر، سمیع اللہ خان، تہنیت شاہد، انشراح عبدالصمد ☆ حیدرآباد: عبداللہ ۔عبداللہ، عمر بن حزب اللہ بلوچ ☆ میر پور خاص: سکینہ سیال، محمد سفیان ☆ تلہ گنگ: عاشبہ نور ☆ نواب شاہ: مریم عبدالسلام شیخ ☆ کھوسکی: سیدہ مقدس ☆ اسلام آباد: آمنہ غفار ☆ جہلم: سیماں کوثر۔

## ۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: علی حسن، رضوان ملک امان اللہ، احتشام شاہ فیصل، محمد جلال الدین، فضل ودود خان، معاذ بن نہال، محمد بلال صدیقی، ماریہ عبدالغفار، یسریٰ صدیقی، رضی اللہ خان، محمد شہیر، مقدس جہاں، عائشہ ثمین ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: بلال مجید، محمد عمیر مجید ☆ راولپنڈی: رومیسہ زینب چوہان، سائرہ مریم ☆ رحیم یار خان: عائشہ خان بلوچ ☆ ٹنڈوالہیار: عائشہ عامر ☆ میر پور ماتھیلو: آصف بوزدار ☆ ہری پور ہزارہ: معراج محبوب عباسی۔

## ۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: محمد عثمان غنی، شاہ محمد ازہر عالم، تنفشالہ ملک، محمد حمزہ ☆ ٹنڈوالہیار: مدثر آصف کھتری ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: فاطمہ پرنس ☆ کنڈیارو: بہادر علی حیدر ☆ پنڈ دادن خان: راجا ثاقب محمود جنجوعہ۔

## ۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: حسام علی، محمد فہد الرحمٰن، اسامہ ملک، افرح صدیقی، قراۃ العین عباسی ☆ ٹھاروشاہ: بسمہ ارشاد خانزادہ راجپوت، ریان آصف خانزادہ راجپوت، شایان آصف خانزادہ راجپوت ☆ میر پور خاص: عبدالرافع تالپور ☆ فیصل آباد: عائشہ اسلم ☆ بھکر: سمیرا زاہد ☆ سرگودھا: مصطفیٰ خورشید علی ☆ کھاریاں: ہادیہ ثاقب۔

# بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مارچ ۲۰۱۶ء میں جناب صداقت حسین ساجد کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ سچ کا سفر : مسکان فاطمہ، کراچی

۲۔ سپنے اپنے اپنے : رفیق احمد ناز، ڈیرہ غازی خان

۳۔ تقدیر کے کھیل : عائشہ رانی عاشی، پنڈ دادن خان

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات ﴾

قسمت کا دھنی۔ تین شہزادے۔ نصیب اپنا اپنا۔ انوکھا خواب۔ تیسرا شہزادہ۔ خواب کی تعبیر۔ سچا خواب۔ خواب بنا حقیقت۔ صبر کا پھل۔ خواب سے حقیقت تک۔

## ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: رضی اللہ خان، زینب امبرین، علینا اختر، محمد عالیان حفیظ، محمد اسد، محمد شیراز انصاری، سدرہ مشرف، لبابہ عمران خان، جویریہ عبدالرحیم، انعم صابر، طاہر مقصود، علی حسن خان، احسن محمد اشرف، محمد شہیر، عبیرہ صابر، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، فضل ودود خان، زبیر ذوالفقار بلوچ، محمد فہد الرحمٰن، احمد رضا، محسن محمد اشرف، صفی اللہ، بہادر شاہ ظفر، احتشام شاہ فیصل، محمد اختر حیات خان، کامران گل آفریدی، محمد جلال الدین اسد خان، محمد

اویس، رضوان ملک امان اللہ، احمد حسین، ارم حسن، محمد معین الدین غوری، عثمان گل اعوان، محمد عثمان غنی، مسکان فاطمہ، ماریہ عبدالغفار، نور فاطمہ، محمد عبداللہ، عمر معاویہ عبدالغنی رحمٰن، عائشہ زبیر، محمد حمزہ، ہادیہ کاشف، معاذ اقبال، اسامہ علی، محمد یوسف ربانی، تسبیح محفوظ، سندس آسیہ، مریم بنتِ علی، قرۃ العین عباسی، رشنا جمال الدین، محمد افنان انصاری، حفصہ انصاری، جویریہ انصاری، محمد خرم انصاری، شازیہ انصاری، محمد تیمور علی، علی حسن، تہنیت شاہد، سمیع اللہ خان، ثمین جاوید، مصامص شمشاد غوری، فضل قیوم خان، لائبہ ادریس، انشراح عبدالصمد، ہانیہ فاروقی، حفصہ ثمین گل اعوان، اسامہ ملک، تفشالہ ملک، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، اُجالا ادریس، رباب فاطمہ، شاہ بشریٰ عالم، راحم فرخ خان، ہانیہ شفیق، افرح صدیقی، زنل فاطمہ صدیقی، فوزان اظہر، محمد ایان بن عمران، مریم صدیق، ایم اختر اعوان، محمد عدنان زاہد، سدرہ، مقدس جہاں، محمد ارسلان صدیقی، اویس رضا عطاری، ایمان منظور، مہوش حسین، محمد حذیفہ رضا، محمد زید بن قیصر جمیل مرشد، سمیع نور حسن صدیقی، سید صفوان علی جاوید، بہادر علی حیدر گڈانی، سید عفان علی جاوید بلوچ، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، ثوبیہ گل اعوان، ثمرہ طفیل ☆ **حیدر آباد:** محمد ابرار الرحمٰن، مقدس حیا خان، عبداللہ۔عبداللہ، عائشہ ایمن عبداللہ، مریم کاشف، صارم ندیم، محمد حسین، عمار بن حزب اللہ بلوچ، سیدہ اقراء اعجاز احمد، محمد عاشر وحید ☆ **میر پور خاص:** محمد سفیان، مسکان اسلم، آمنہ سیال، محمد طاہر امان اللہ میمن، سید میثم عباس شاہ ☆ **راولپنڈی:** حافظ محمد عابد علی، فاطمہ عُرشم، ملک محمد احسن، رومیسہ زینب چوہان، گل فاطمہ، سائرہ مریم، وانیہ احمد ☆ **سرگودھا:** محمد بلال نذیر، مرتضیٰ خورشید علی، لائبہ وسیم

☆ **اسلام آباد:** حرا قاضی، فرحین، آمنہ غفار ☆ **کوٹلی:** زرفشاں بابر ☆ **مظفر آباد:** اِصبح احمد ☆ **بہاول نگر:** فائق جاوید، گل اقصیٰ ☆ **تلہ گنگ:** علیشبہ نور، حافظہ عذرا سعید ☆ **ہری پور:** علشبہ اسحاق ☆ **ہری پور ہزارہ:** معراج محبوب عباسی ☆ **ٹھاروشاہ:** سفیان آصف خانزادہ راجپوت، ریان آصف خانزادہ راجپوت، بلال ارشاد خانزادہ راجپوت ☆ **لاہور:** نبیہ ثاقب، عبدالجبار رومی انصاری، زاہد امتیاز، ہاجرہ تبسم اقبال ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** بلال مجید، عمیر مجید، فاطمہ پرنس، سعدیہ کوثر مغل، اویس شیخ ☆ **فیصل آباد:** حسن رضا مختار، عائشہ اسلم ☆ **کہروڑ پکا:** محمد ارسلان رضا ☆ **لودھراں:** نور فاطمہ ☆ **ڈیرہ غازی خان:** فرح سراج، رفیق احمد ناز ☆ **کلور کوٹ:** سمیرا زاہد ☆ **ملتان:** اُمِ رومان ☆ **میر پور ماتھیلو:** آصف بوزدار ☆ **احمد پور شرقیہ:** مناہل فرمان ☆ **پنڈ دادن خان:** عائشہ رانی عاشی ☆ **ٹنڈو الہیار:** موتی آصف کھتری ☆ **نواب شاہ:** مریم عبدالسلام شیخ ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **اٹک، کینٹ:** عمان وحید ☆ **سکھر:** بشریٰ محمد محمود شیخ ☆ **کوٹ ادو:** محمد حسنین ☆ **قصور:** عبدالرافع ☆ **رحیم یار خان:** عائشہ خان بلوچ ☆ **پشاور:** محمد حیان ☆ **نوشہرو فیروز:** رمشا پُھل ☆ **واہ کینٹ:** محمد حذیفہ ☆ **علی پور:** سلمان یوسف سمیجہ ☆ **جند وڈیرو:** راشد رشید بھٹو ☆ **صادق آباد:** آسیہ حسین ☆ **کھاریاں:** ہادیہ ثاقب ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری ☆ **بہاول پور:** محمد شکیب ☆ **خانیوال:** ہادیہ فاطمہ ☆ **کھوسکی:** سیدہ مقدس ☆ **بے نظیر آباد:** نصرت ممتاز ☆ **میانوالی:** شافعہ کلثوم عباس ☆ **ننکانہ صاحب:** ملائکہ نور دین قادری۔

☆☆☆

# نونہال لغت

| | | |
|---|---|---|
| پِنہاں | پِ نْ ہَا ں | چھپا ہوا۔ پوشیدہ۔ |
| طُرفہ تماشا | طُ رْ فَہ تَ مَا شَا | عجیب وغریب تماشا۔ انوکھا۔ نادر۔ |
| نِہال | نِ ہَا ل | تازہ لگایا ہوا پودا۔ مالا مال۔ خوش حال۔ خوش وخرّم۔ |
| تِریاق | تِ رْ یَا ق | وہ دوا جو زہر کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ |
| حُجت | حُ جْ جَ ت | دلیل۔ تکرار۔ جھگڑا۔ |
| حاجت روا | حَا جَ تْ رَ وَا | ضرورت پوری کرنے والا۔ مراد پوری کرنے والا۔ |
| مُعتدل | مُ عْ تَ دِ ل | اعتدال والا۔ درمیانی درجے کا۔ متوسط۔ |
| آسرا | آ سْ رَ ا | بھروسا۔ سہارا۔ وسیلہ۔ اعتبار۔ |
| گُمان | گُ مَا ن | شک۔ شبہ۔ وہم۔ قیاس۔ |
| کِینہ | کِ یْ نَہ | حسد۔ بغض۔ عداوت۔ کپٹ۔ |
| غُلّہ | غُ لْ لَہ | مٹی کی گولی جو غلیل میں چلاتے ہیں۔ |
| اَشد | اَ شَدْ د | شدید تر۔ بے حد۔ حد سے بڑھ کر۔ |
| رَوادار | رَ وَا دَا ر | گوارا کرنے والا۔ کسی فعل کو جائز رکھنے والا۔ |
| خَم | خَ م | ترچھاپن۔ ٹیڑھ۔ بل۔ |
| ٹَوٹکا | ٹَو ٹْ کَا | جادو ٹونا۔ جنتر منتر۔ |
| صِفت | صِ فَ ت | خوبی جو کسی کی ذات میں ہو۔ خاصیت۔ تعریف۔ وصف۔ |
| بھیس | بھے س | سوانگ۔ لباس۔ وضع۔ رُوپ۔ |
| کَونین | کَ وْ نَے ن | دونوں جہاں۔ ہر دو عالم۔ دین ودنیا۔ |